ماھنامہ

انوار مدینہ

شمارہ : ۱۰	شوال المکرّم ۱۴۲۹ھ / اکتوبر ۲۰۰۸ء	جلد : ۱۶

سیّد مسعود میاں	سیّد محمود میاں
نائب مدیر	مدیر اعلیٰ

بدلِ اشتراک

پاکستان فی پرچہ ۱۷ روپے......... سالانہ ۲۰۰ روپے

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات..... سالانہ ۷۵ ریال

بھارت، بنگلہ دیش .... سالانہ ۲۰ امریکی ڈالر

برطانیہ، افریقہ .... سالانہ ۲۰ ڈالر

امریکہ .... سالانہ ۲۵ ڈالر

جامعہ مدنیہ جدید کا اِی میل ایڈریس

E-mail: jmj786_56@hotmail.com

fatwa_abdulwahid1@hotmail.com

ترسیلِ زر و رابطہ کے لیے

دفتر ماہنامہ ''انوارِ مدینہ'' جامعہ مدنیہ کریم پارک راوی روڈ لاہور

اکاؤنٹ نمبر انوارِ مدینہ MCB (0954) 7914-2

فون نمبرات

جامعہ مدنیہ جدید : +92 - 42 - 5330310

خانقاہِ حامدیہ : +92 - 42 - 5330310

فون/فیکس : +92 - 42 - 7703662

رہائش ''بیت الحمد'' : +92 - 42 - 7726702

موبائل : +92 - 333 - 4249301

مولانا سیّد رشید میاں صاحب طابع و ناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر

دفتر ماہنامہ ''انوارِ مدینہ'' نزد جامعہ مدنیہ کریم پارک راوی روڈ لاہور سے شائع کیا

اس شمارے میں

حرفِ آغاز		۳
درس حدیث	حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحبؒ	۵
ملفوظات شیخ الاسلامؒ	حضرت مولانا ابوالحسن صاحب بارہ بنکویؒ	۸
حضرت عائشہؓ کی عمر اور حکیم نیاز احمد کا مغالطہ	حضرت اَقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحبؒ	۱۰
عورتوں کے رُوحانی امراض	حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ	۱۶
حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مناقب	حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحبؒ	۱۹
کیا تکافل کا نظام اِسلامی ہے؟	حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدلواحد صاحب	۲۱
الوداعی خطاب	حضرت مولانا سیّد محمود میاں صاحب	۳۵
سالانہ نتیجہ وفاق المدارس العربیہ		۴۷
گلدستۂ احادیث	حضرت مولانا نعیم الدین صاحب	۴۸
تہذیبوں کے عروج وزوال میں علم کا کردار	حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب منصوری	۴۹
دینی مسائل		۶۰
خانقاہِ حامدیہ اور رمضان المبارک	محمد عامر اَخلاق، متعلم جامعہ مدنیہ جدید	۶۲

جامعہ مدنیہ جدید اور خانقاہِ حامدیہ کے لیے نیا V فون نمبر

V فون : 042 - 6152120

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

سیّد محمود میاں

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم امابعد!

23 ستمبر کے روزنامہ میں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ امریکی ریاست نبراسکا میں گوشت کی پیکنگ کرنے والے پلانٹ میں نماز کی اِجازت طلب کرنے پر دوسو مسلمان ملازمین کو برطرف کر دیا اور کہا کہ ''اللہ یا آجر'' کسی ایک سے وفاداری نبھائیں۔''

مسلمانوں کے ساتھ کفار کی تنگ نظری کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ روزِ اوّل سے ہی اِن کا اِسی طرح کا طرزِ عمل رہا ہے کہ کسی بھی درجہ میں اِسلام یا مسلمان باعزت مقام حاصل نہ کر پائیں۔ صہیونی، صلیبی اور مشرکانہ تعصب ہمیشہ سے مسلمانوں کے خلاف صف آرا رہا ہے فوجی سطح ہو یا سیاسی، تجارتی امور ہوں یا معاشرتی، ملکی معاملات ہوں یا بین الاقوامی، غرض ہر سطح پر کفار مذہبی تعصب کی بنیاد پر ہی معاملہ کرتے ہیں۔

مگر اِس کے باوجود مسلم قیادت نے خود کو کفار سے مرعوبیت کی وجہ سے اِس درجہ بے توقیر کر لیا ہے کہ وہ اپنے اندر اُن سے اِحتجاج یا بازپُرسی کرنے کی سکت نہیں رکھتی۔ اور اِس تنزلی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی خارجی اور داخلی پالیسیاں عوامی خواہشات اور دستور سے ہٹ کر بناتے ہیں۔ محض اِحساس کمتری اور اپنے مذہب

سے دُوری اور ناواقفیت کی وجہ سے اپنے کو دُنیا کے سامنے بطورِ سیکولر پیش کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں اور مذہب سے وہ اپنی وابستگی کے اِظہار میں جھجکتے ہیں اپنے اُٹھنے بیٹھنے لباس و پوشاک، بول چال، رہن سہن غرض ہر معاملہ میں اُن ہی کی نقالی کو اِمتیازی شان سمجھتے ہیں۔ایسی غلامانہ ذہنیت کی حامل مسلم قیادت سے خیر کی توقع رکھنا اور یہ سمجھنا کہ وہ مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ کر سکتے ہیں محض خام خیالی ہوگی۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ تمام مسلم حکومتیں مل کر اُن مسلمان ملازمین کی جن کو نماز کے مطالبہ پر کافروں کی کمپنی نے برطرف کیا ہے سفارتی سطح پر ہر ممکن اور فوری مدد کرتیں اور اِس مسئلہ کو عالمی سطح پر اُٹھاتیں کیونکہ اِس ناپاک اقدام کے ذریعے مسلمانوں کی بنیادی اور مذہبی آزادی کو سلب کر کے اِنسانی حقوق کو پامال کیا گیا ہے۔

کم اَز کم یہ تو ہونا ہی چاہیے کہ اگر یہ ملازمین اپنے ملکوں کو واپس جاتے ہیں تو اُن کو باعزت روزگار کے بہتر سے بہتر مواقع فراہم کیے جائیں۔

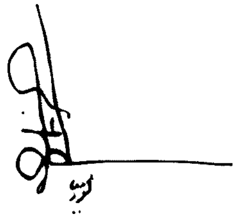

جامعہ مدنیہ جدید کے فوری توجہ طلب ترجیحی اُمور

(۱) مسجد حامد کی تکمیل

(۲) طلباء کے لیے دارالاقامہ (ہوسٹل) اور درسگاہیں

(۳) کتب خانہ اور کتابیں

(۴) پانی کی ٹنکی

ثواب جاریہ کے لیے سبقت لینے والوں کے لیے زیادہ اَجر ہے۔

مولای صل وسلم دائما ابدا درس حدیث علی حبیبک خیر الخلق کلھم

حضرتِ اقدس پیرومرشد مولانا سید حامد میاں صاحبؒ کی مجلسِ ذکر کے بعد درسِ حدیث کا سلسلہ وار بیان ''خانقاہِ حامدیہ چشتیہ'' رائیونڈ روڈ لاہور کے زیرِ انتظام ماہنامہ ''انوارِ مدینہ'' کے ذریعہ ہر ماہ حضرت اقدسؒ کے مریدین اور عام مسلمانوں تک باقاعدہ پہنچایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت اقدسؒ کے اِس فیض کو تاقیامت جاری و مقبول فرمائے۔ (آمین)

نبی علیہ السلام کے چودہ ''نجیب''

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا دُشمن اللہ کا دُشمن

فتحِ مکہ سے پہلے قربانیاں دینے والوں کا درجہ سب سے بڑا ہے

﴿ تخریج و تزئین : مولانا سیّد محمود میاں صاحب ﴾

(کیسٹ نمبر 57 سائیڈ A 1986 - 03 - 28)

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلٰوۃ والسلام علٰی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین امابعد !

حضرتِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر نبی کو سات نجیب اور رقیب اللہ کی طرف سے ملتے ہیں۔ نجیب تو کہتے ہیں شریف کو، رقیب کہتے ہیں نگرانی کرنے والے کو نگہداشت رکھنے والے کو۔ تو ہر نبی کو ایسے ساتھی ملتے ہیں کہ عرفاً جنہیں نجیب کہا جائے شریف النفس معروف ہوں ہر ایک اُن کو جو بھی دیکھے پرکھے تو یہی کہے گا کہ یہ نجیب ہیں اور رُقَبَآء یعنی اُس کے پیغام کی حفاظت کرنے والے نگرانی کرنے والے جو نبی اَحکام لائے ہیں اُن پر عمل کرنا اُن پر عمل کی دعوت دینا اُن کے احکام کو دُوسروں تک پہنچانا اَحکام کی نگہداشت کرنا یہ اُن کا کام ہوگا۔

تو رسولِ کریم علیہ الصلٰوۃ والتسلیم فرماتے ہیں کہ ایسے لوگ ہر نبی کو ملتے رہے ہیں اور اُنہیں سات ملتے تھے سات ہوتے تھے ایسے لیکن مجھے چودہ ملے ہیں۔ حضرتِ علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ وہ کون لوگ ہیں؟ اُن کے نام بتلائیے گا ہمیں تو اُنہوں نے بتایا کہ میرا نام لیا رسول اللہ ﷺ نے اور میرے

دونوں بیٹوں کا نام لیا یعنی حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کا، حضرتِ جعفر جو شہید ہو چکے تھے، حضرتِ حمزہ جو شہید ہو چکے تھے، ابوبکر، عمر، مصعب ابن عمیر، بلال، سلمان فارسی، عمار ابن یاسر، عبداللہ ابن مسعود، ابوذر غفاری اور مقداد ابن اَسود رضی اللہ عنہم [1] یہ حضرات ہیں جن کے نام جناب رسولِ کریم علیہ الصلٰوۃ والتسلیم نے بتلائے۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا دُشمن اللہ کا دُشمن :

اِن میں سے ایک نام حضرتِ عمار ابن یاسر رضی اللہ عنہ کا بھی آیا ہے یہ جلیل القدر صحابی ہیں رسول اللہ ﷺ نے اِن سے بڑی محبت ظاہر فرمائی ہے اور اِن کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اِن کو شیطان سے محفوظ رکھا ہے شیطان اپنے اَثرات اِن پر نہیں ڈال سکے گا ایسے بھی آتا ہے کہ یہ سر سے پاؤں تک ایمان سے بھرے ہوئے ہیں تو اُن لوگوں میں ہیں یہ کہ جنہوں نے اِسلام کی راہ میں تکالیف برداشت کیں۔

تو حضرتِ عمار ابن یاسر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ ایسا گزرا کہ حضرتِ خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ جو بڑے درجے کے صحابی تھے رسول اللہ ﷺ نے اِن کو ''سَیْفُ اللّٰہ'' کا خطاب دیا تھا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں کہ میرے اور عمار ابن یاسر کے درمیان ایسے اتفاق ہوگیا کہ کچھ گفتگو ہوگئی تو میں نے اُن کو سخت باتیں کہہ دیں اَغْلَظْتُ لَہٗ فِی الْقَوْلِ۔ حضرتِ عمار ابن یاسر رضی اللہ عنہ نے جنابِ رسول اللہ ﷺ سے میری شکایت کی، وہ کہتے ہیں کہ حضرت خالد بھی آئے اور حضرت خالد نے رسول اللہ ﷺ سے حضرتِ عمار کی شکایت کا جواب شروع کیا اور اُنہوں نے گفتگو میں سخت کلمات جو اِستعمال ہو سکتے تھے وہ کرتے چلے گئے سخت سے سخت کلمات اور وہ آگے ہی بڑھتے چلے گئے لَایَزِیْدُہٗ اِلَّا غِلْظَۃً، رسول اللہ ﷺ خاموش تھے آپ نے کوئی بات بالکل نہیں کی حضرت عمار ابن یاسر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور کہنے لگے یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَلَا تَرَاہُ جناب دیکھ رہے ہیں اِنہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے سر مبارک اُٹھا کر فرمایا کہ مَنْ عَادٰی عَمَّارًا عَادَاہُ اللّٰہُ جو عمار سے دُشمنی رکھتا ہے اللہ اُس سے دُشمنی رکھتا ہے وَمَنْ اَبْغَضَ عَمَّارًا اَبْغَضَہُ اللّٰہُ جو عمار سے بُغض رکھے وہ اللہ کا مبغوض ہوگا۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ پر اِس اِرشاد کا اَثر :

بس خالد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں وہاں سے آیا تو میری نظر میں اِس سے زیادہ بہتر کوئی

---

[1] مشکوۃ شریف ص ۵۸۰

چیز نہیں تھی اِس سے زیادہ مرغوب کوئی چیز نہیں تھی کہ میں عمار کی خوشنودی چاہوں مِنْ رِضَاءِ عَمَّارٍ کہتے ہیں میں اُن کے پاس گیا اور ایسی طرح میں ملا اُن سے ایسے اَنداز سے ملا ایسے کلمات استعمال کیے کہ جن سے وہ خوش ہوگئے فَلَقِیْتُہٗ بِمَا رَضِیَ تو رسول اللہ ﷺ نے ہر ایک کو اُس کا درجہ بتلایا بھی ہے سمجھایا بھی ہے اور بعض کا درجہ جو اللہ کے یہاں ہے وہ بہت بڑا ہے وہ بھی ظاہر فرمایا ہے۔

نبی علیہ السلام کی زبانی حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی تعریف :

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضرت ابوعبیدہ ابن جراح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جنابِ رسول اللہ ﷺ سے یہ سُنا ہے کہ خَالِدٌ سَیْفٌ مِّنْ سُیُوْفِ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ خالد جو ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہیں وَنِعْمَ فَتَی الْعَشِیْرَۃِ ؂۲ اور بہت اچھے ہیں یہ اپنے خاندان یا قبیلے کے نوجوانوں میں بہت اچھے جوان ہیں۔ '' فَتٰی '' مضبوط کو کہتے ہیں یہ دونوں روایتیں امامِ احمدؒ نے نقل فرمائی ہیں اور دونوں میں دونوں کی فضیلت بھی معلوم ہورہی ہے اور درجہ بھی معلوم ہورہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کس کا کیا درجہ ہے؟

فتحِ مکہ سے پہلے قربانیاں دینے والوں کا درجہ سب سے بڑا ہے :

اور جن لوگوں نے مصائب اُٹھائے ہیں شروع شروع میں اِسلام کی راہ میں اُن کا درجہ بہت بڑا ہے اللہ کے یہاں۔ بلکہ قرآنِ پاک میں صاف ہی آیا ہے کئی جگہ تو ، وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُھَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ یہ آیا ہے اور یہ بھی آیا ہے لَایَسْتَوِیْ مِنکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ اُولٰئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَۃً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا جو فتح مکہ سے پہلے آچکے اور مسلمان ہوئے اور ہجرت کی ہے وہ اور وہ لوگ جو فتحِ مکہ کے بعد اِسلام میں داخل ہوئے خرچ کیا اُنہوں نے جہاد کیا وہ درجے میں برابر نہیں۔ تو بہت بڑی حد تک بڑے درجات کا مدار اِسلام کی اِبتداء پر ہے اُس وقت جس نے جو کام کیا ہے وہ برموقع تھا اور اُس کے اُوپر بنیاد چلی ہے وہ تو ایسے ہوئے جیسے بنیاد کے نیچے کی اینٹیں ہیں وہ سب سے ہی اہم ہیں۔ لَایَسْتَوِیْ مِنکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ اُولٰئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَۃً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا اِس کے بعد جن لوگوں نے جہاد کیا ہے خرچ کیا ہے (باقی صفحہ ۱۵)

؂۲ مشکوۃ شریف ص ۵۸۰

ملفوظات شیخ الاسلام

حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمہ اللہ

﴿ مرتب : حضرت مولانا ابوالحسن صاحب بارہ بنکوی رحمہ اللہ ﴾

☆ دُعائیں اِبتہال اور تضرع کے ساتھ مانگا کیجیے اور یہ نہ کہیے کہ قبول نہیں ہوتیں اوّل تو وظیفہ عبودیت ہی کے خلاف ہے، عبد کا کام مانگنا، تضرع وزاری عمل میں لانا اِلحاح کرنا ہے۔ ع

او بشنود یا نہ شنود گفتگوئے می کنم

☆ حصول قوالب اعمالِ صالحہ پر شکر گزار رہیے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ قوالب کے بعد ہی نفخ رُوح ہوتا ہے جد وجہد اِنشاء اللہ وہاں تک بھی پہنچائے گی۔

☆ ذکر پر مداومت کرنا باعث شکر ہے خواہ جی لگے، حضورِ قلب ہو یا نہ ہو اَنَا مَعَ الْعَبْدِ مَا تَحَرَّكَتْ بِیْ شَفَتَاهُ حدیثِ قدسی کے الفاظ ہیں اگر قلب ذاکر نہیں ہے تو جسم اور زبان تو ذاکر ہے اگرچہ یہ ذکر لسانی ذکر قلبی کے سامنے نہایت کمزور نسبت رکھتا ہے جیسے کہ ذکر قلبی ذکر رُوحی کے سامنے نہایت کمزور نسبت رکھتا ہے۔

☆ فضائلِ رفاقت اور تاثیر صحبت کا عالمِ اَسباب میں اِنکار نہیں کیا جاسکتا صُحْبَةُ الشَّيْخِ سَاعَةً خَيْرٌ مِّنْ عِبَادَةِ سِتِّيْنَ سَنَةً مشہور مقولہ ہے۔

☆ بیماری اور صحت میں جس قدر زیادہ سے زیادہ ذکر ہو سکے کرتے رہیں خواہ زبانی ہو یا پاس اِنفاس یا ذکر قلبی، بہرحال جس طرح ہو ذکر سے غافل نہ رہیں۔

☆ رحمتِ خداوندی سے کسی وقت بھی مایوس نہ ہوں، وہ کریم کارساز عَمِيْمُ الْاِحْسَانِ غَفَّارُ الذُّنُوْبِ وَالْخَطَايَا ہے۔ اُس کا وعدہ ہے اور نہایت سچا وعدہ ہے کہ آسمان وزمین کے تمام فضاء سے بھرے ہوئے گناہوں کو بھی رُجوع اور اِنابت الی اللہ کی بناء پر اپنی مغفرت سے بھر دے گا۔

☆ مقصودِ اعظم جملہ حرکات وسکنات رضائے باری عزوجل ہے وہ راضی ہو تو ساری خدائی پوجنے

لگے اور اگر خدانخواستہ وہ ناراض ہو جائے تو کوئی بھی اپنا نہیں بالخصوص عالمِ علوی میں ۔

☆ کتبِ تصوف کے مطالعہ کو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سالک کے لیے منع فرماتے تھے۔ مریض ظاہر کتبِ طب کا اگر مطالعہ کرے تو بجز تشویش کے اُس کو کچھ حاصل نہیں ہوتا اور اگر خود اُن اَدویہ اور نسخہ جات کو استعمال کرنے لگے تو عموماً بجائے نفع کے نقصان اُٹھاتا ہے۔

☆ منہ میں گلوری رَکھ کر اگر اُس میں تمباکو نہ ہو ذکر وغیرہ میں کوئی حرج نہیں ہاں اگر تمباکو ہو تو کلی کرنا اور بدبو کو دُور کر لینا چاہیے۔

☆ جو حالت لرزہ کی بعض اَوقات نماز وغیرہ میں پیدا ہوتی ہے بہت مبارک اور اُمید اَفزا ہے۔

☆ اعتماد اللہ پر رکھیں بندہ کا فریضہ صرف جدو جہد اور عمل ہے مُتَصَرِّفٌ فِی الْاَکْوَانِ (ساری کائنات) جنابِ باری عزاسمہٗ ہے۔ قُلُوْبُ الْخَلَائِقِ بَیْنَ الْاِصْبَعَیْنِ (اُنگلیوں کے درمیان) ہیں۔ وہ ہمارے ساتھ رؤف و رحیم ہے نہ گھبرانا چاہیے نہ مایوس ہونا چاہیے اور نہ مطمئن علیٰ غیر اللہ ہونا چاہیے اور اُس کی رضاء جوئی ہمیشہ مطمحِ نظر رہنا چاہیے۔

☆ یہ حالت کہ زلزلہ زمین میں بوقتِ ذکر معلوم ہوتا ہے کچھ تعجب خیز نہیں ہے۔ ذکر کے آثارِ محمودہ میں سے ہے اِس سے نہ گھبرایئے اور نہ دل لگایئے صرف محبوبِ حقیقی سے دل لگایئے۔

☆ دل لگے یا نہ لگے کتنا ہی اِنقباض ہو مگر نماز ہرگز ترک نہ ہونی چاہیے۔

☆ بارگاہِ الٰہی میں جس قدر بھی رونا اور سوز و گداز ہو بہتر ہے مایوسی نہ ہونا چاہیے تضرع و زاری مطلوب ہے اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَةً ۔

☆ سالک کے لیے بالخصوص اِبتدائی ایام میں تنہائی بہت زیادہ ضروری ہے۔ صحبتِ شیخ تو بیشک مفید ہے مگر بقول شاعر ع

اَز خلائق دُور ہمچو غول باش

☆ محبوبِ حقیقی کی یاد جس قدر بھی ہو مفید اور ضروری ہے مَا اَشْغَلَکَ مِنَ الْحَقِّ فَھُوَ طَاغُوْتُکَ اِسی طرف اپنی توجہ رکھیے۔

☆ ☆ ☆

سلسلہ نمبر۳۱ قسط : ۷

''الحامد ٹرسٹ''نزد جامعہ مدنیہ جدید رائیونڈ روڈ لاہور کی جانب سے شیخ المشائخ محدثِ کبیر حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اہم خطوط اور مضامین کو سلسلہ وار شائع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے جو تاحال طبع نہیں ہوسکے جبکہ ان کی نوع بنوع خصوصیات اس بات کی متقاضی ہیں کہ افادۂ عام کی خاطر اِن کو شائع کردیا جائے۔اسی سلسلہ میں بعض وہ مضامین بھی شائع کیے جائیں گے جو بعض جرائدو اخبارات میں مختلف مواقع پر شائع ہوچکے ہیں تاکہ ایک ہی لڑی میں تمام مضامین مرتب و یکجا محفوظ ہوجائیں۔(اِدارہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر اور حکیم نیاز احمد صاحب کا مغالطہ

حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ اور حکیم نیاز احمد صاحب کے درمیان خط و کتابت [۱]

حکیم نیاز احمد صاحب کا خط

51۔ البتہ امام اعظم اور امام مالک کے قبول روایت کے پختہ اُصول ہیں جن الفاظ میں روایت سنی اُن ہی الفاظ میں ادا کرے اور ابتداءِ سماعت سے اداءِ روایت تک یاد بھی رکھے۔امام مالک نے کسی بدعتی سے روایت نہیں لی۔

52۔ صحیحین میں غیر منقح روایات موجود ہیں۔

53۔ امام بخاری بایں عظمت وشان آخر اِنسان تھے۔محدث شہیر امام محمد بن یحییٰ ذہلی صاحبِ زہریات نے جو امام بخاری کے شیخ تھے خلقِ قرآن کے مسئلہ پر امام بخاری سے قطع تعلق کرلیا تھا اور اعلان کردیا

[۱] گزشتہ شماروں میں قارئین نے جہلم کے حکیم فیض عالم صاحب کی حضرت اقدس قدس سرہ العزیز سے طویل خط وکتابت ملاحظہ فرمائی، اَب اپریل کے شمارہ سے سرگودھا کے حکیم نیاز احمد صاحب کی حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حضور اکرم ﷺ سے شادی کے وقت عمر کے متعلق طویل خط وکتابت ملاحظہ فرمائیں گے۔حکیم صاحب نے اِس سلسلہ میں ایک ضخیم کتاب لکھی ہے حکیم صاحب کو مغالطہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نکاح ورُخصتی کے وقت جو عمر اَحادیث میں آئی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔پیش نظر صفحات میں اِسی خط وکتابت کو دیا جارہا ہے۔(ادارہ)

تھا : " اَلْقُرْآنُ کَلَامُ اللّٰہِ غَیْرُ مَخْلُوْقٍ مَنْ زَعَمَ لَفْظِی بِالْقُرْآنِ مَخْلُوْقٌ فَھُوَ مُبْتَدِعٌ لَایُجَالَسُ وَلَایُتَکَلَّمُ وَمَنْ ذَھَبَ بَعْدَ ھٰذَا اِلٰی مُحَمَّدِ بْنِ اِسْمَاعِیْلَ فَاتَّھِمُوْہُ فَاِنَّہٗ لَا یَحْضُرُ مَجْلِسَہٗ اِلَّا مَنْ کَانَ عَلٰی مَذْھَبِہٖ." (الطبقات الشافعیہ الکبری) ۔ نہ صرف امام ذہلی نے امام بخاری کو ترک کیا بلکہ اُن کے اَقران امیر المومنین فی الحدیث ابوزراعہ راوی اور امامِ کبیر ابوحاتم الرازی نے بھی اُن کو ترک کر دیا اور اُن کی روایات کو ترک کر دیا (کتاب الجرح والتعدیل ابن ابی حاتم) اور ابن ابی حاتم نے امام بخاری کے تاریخی اوہام پر ایک کتاب کتاب خطأ البخاری لکھی۔ علامہ سخاوی نے اعلان التوبیخ میں لکھا: " لابن ابی حاتم جزء کبیر عندی انتقد فیہ البخاری".

54۔ امام ذہلی نے امام بخاری کو منع کر دیا تھا کہ مجھ سے کوئی روایت بیان نہ کریں۔ مگر بخاری میں امام ذہلی سے بقول حافظ ابن حجر 34 روایات آتی ہیں مگر کہیں بھی اُن روایات میں محمد بن یحیٰ ذہلی نہیں کہا کبھی حدثنا محمد کبھی حدثنا محمد ابن عبداللہ کبھی حدثنا محمد بن خالد ذکر کیا ہے۔ عبداللہ ذہلی کے دادا ہیں اور خالد پردادا۔ "وَمَا ھٰذَا اِلَّا التَّدْلِیْس"۔ علامہ خزرجی نے ذہلی کے ترجمے میں امام بخاری کے متعلق "یدلّسہ" ہی کہا ہے۔

55۔ امام مسلم نے اپنی کتاب میں اپنے شیخ امام بخاری سے ایک بھی روایت نہیں لی۔ امام ترمذی نے اپنی کتاب ترمذی جو کتاب المذاہب ہے ایک جگہ بھی امام بخاری کے مسلک کا ذکر نہیں کیا۔ اِسی طرح اور صحاح کے مصنفین نے شاذ و نادر ہی کوئی روایت امام بخاری سے نقل کی ہے۔

56۔ ہم اصح الکتب کے عنوان سے نیچے بات ہی نہیں کرتے۔ لیکن امام مسلم نے اُس کے وجود ہی کو تسلیم نہیں کیا امام بخاری کو لاکھوں روایتیں یاد تھیں۔ امام مسلم نے بارہ ہزار اَحادیث بیان کی ہیں دو چار تو امام بخاری سے ہونی چاہیے تھیں۔

57۔ ایک دفعہ حافظ ابوالعباس بن عقدہ سے کسی نے سوال کیا "اَیُّمَا اَحْفَظُ الْبُخَارِیُّ اَوْمُسْلِم؟" تو بے حد اِصرار کے بعد اُنہوں نے جواب دیا "یَقَعُ لِمُحَمَّدٍ الْغَلَطُ فِیْ اَھْلِ الشَّامِ وَ ذَالِکَ لِاَنَّہٗ اَخَذَ کُتُبَھُمْ وَنَظَرَ فِیْھَا فَرُبَمَا ذَکَرَ بِکُنْیَتِہٖ وَیَذْکُرُفِیْ مَوْضَعٍ آخَرَ بِاِسْمِہٖ

یَظُنُّهُمَا اِثْنَيْنِ''(ترجمہ امام مسلم تذکرۃ الحفاظ) امام ذہلی کی وفات بخاری سے دو سال بعد ہوئی۔

58۔ حافظ ابن حجر نے اپنے رسالے طبقات التدلیس میں ذکر کیا کہ حافظ ابن مندہ نے بخاری کو مدّلس کہا ہے پھر کہا کہ جہاں بخاری ''قال'' کہتے ہیں اُس سے مراد لم یسمعہ ہے اور جہاں ''قال لنا'' کہتے ہیں وہ سماع ہوتا ہے مگر اُن کی شرائط پر نہیں ہوتا۔ آخر میں کہا ''هٰذا عَرَفْتُ مِنْ صَنِيْعِهٖ'' یعنی مصَّرح مذکور نہیں میں نے مطالعہ سے اَخذ کیا ہے۔

59۔ اِس ساری تفصیل کا مقصد یہ ہے کتبِ اَحادیث کو وسعتِ ذہنی سے مطالعہ کرنا چاہیے متعصب نہ بننا چاہیے۔ جب حنفی مسلک کی ترجیح میں ہم روایات صحاح کو مرجوح قرار دیتے ہیں تو تاریخی روایات کی صحت پر اِتنا کیوں اِصرار ہے۔

60۔ محدثین نے درایت کے مقابلہ میں روایت کو ترجیح دی ہے اُن کے خیال میں اگر سند موصول اور مربوط ہے تو مضمون میں کتنا ہی اِستبعاد اور نکارت ہو وہ اِس کی پرواہ نہیں کرتے اور اتصالِ سند کے وجہ سے روایت کو قبول کر لیتے ہیں۔ پھر روایت کے استبعاد کو دُور کرنے کے لیے دلائل کے ڈھیر لگا دیتے ہیں۔ مثلاً تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى وَاَنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تین جھوٹ وغیرہ۔

61۔ اِس مختصر خط میں اِس مسئلہ پر سیر حاصل بحث نہیں ہو سکتی، کبھی وقت ملا تو زبانی گفتگو ہو گی۔

62۔ عبدالرزاق کے متعلق یہ خیال رہے کہ اُن کی زندگی کے تین دَور تھے۔ پہلا دَور یہ تھا کہ یہ پکے اہل سنت تھے اور اِسی وجہ سے یہ معمر کے جانشین تصور کیے گئے تھے اور جامع معمر کے وارث بنے اور اپنے اَقران پر سبقت لے گئے تھے اور مرجع خلائق قرار پائے تھے۔

63۔ دُوسرا دَور وہ ہے جب اُنہوں نے معمر بن سلیمان سے متاثر ہو کر شیعہ مسلک اختیار کیا اور تقیہ میں مہارت حاصل کی۔ ظاہری حالت پہلے ہی جیسی رہی۔ اُس دور میں شیعت افعالِ مخصوصہ کا نام نہیں تھا اور سب سے بڑا فرقہ اِثنا عشری اُس وقت ناپید تھا۔ یہ تو تیسری صدی کے آخر میں بنا۔ مگر اَفضلیت علی رضی اللہ عنہ علیٰ غیرہم کا ذہن موجود تھا۔ اور مناقبِ حضرت علی رضی اللہ عنہ میں ہر رَطب و یابس چلتا تھا اور شدت تولّی کا نتیجہ تبرّیٰ کا پیدا ہونا قدرتی

امر تھا۔ اِس لیے بلطائف الحیل مثالب مخصوص صحابہ (جن کو یہ صراحۃً حضرت علیؓ کا مخالف خیال کرتے تھے) کا بیان شروع کر دیا تھا جو مستند مربوط روایات میں اِدراج کی شکل میں قدحِ صحابہ میں اُن کے ہاں پایا جاتا ہے۔

64۔ مآل اِس تحریر کا یہ ہے کہ مناقب و مثالب میں اُن کی روایات کو خوب دیکھ لینا چاہیے۔

65۔ اُن کا افتخار معمر کی کتاب کی وجہ سے تھا اُسے کیسے ترک کر دیتے۔ اگر اُن کی کتاب میں معمر کے واسطے سے حضرت عائشہؓ اور حضرت عمرؓ یا حضرت معاویہؓ کی روایات آتی ہیں یا اُن کی تعریف آتی ہے تو یہ معمر کا فیضان ہے اُن کا کوئی کمال نہیں ہے۔ البتہ اُن کا یہ کمال ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی روایات میں بعض غیر متعلق اور نامناسب اِدراجات پائے جاتے ہیں۔

66۔ تیسرا دَور اُن کا معلوم اور معروف ہے۔ جب یہ نابینا ہوگئے تھے دماغ چل گیا تھا۔ اور یہ دُوسری صدی کے آخر میں ہوا جب اُن کی عمر ۷۵ کے قریب تھی ۲۱۱ھ تک بارہ سال یہ اِسی حالت میں زندہ رہے، ۸۶ سال کی عمر میں وفات پائی۔

67۔ (نوٹ) میں نے محدثین کی اِصطلاح میں اِدراج کی اقسام بیان نہیں کیں بلکہ یہ عرض کیا ہے کہ محدثین نے اِدراج پر پوری توجہ نہیں دی۔ دسیسہ کاروں نے اِس راستے سے مستند روایات میں موقع بموقع چھوٹے چھوٹے جملوں کی شکل میں اپنے من مانے خیالات شامل کر دیے ہیں جن کا اصل روایت سے علیحدہ کرنا نہایت مشکل ہے۔ اَب یہ اصل روایت کا حصہ خیال کیے جاتے ہیں۔ اور مروی عنہ سے اِسی طرح منقول تصور کیے جاتے ہیں جیسے اَصل روایت۔

68۔ تحقیق ہونے پر مدرَج جملے موضوع ہی تصور کیے جائیں گے۔ وضع کی خطرناک قسم سے میری یہی مراد ہے۔ اگر کوئی ناگوارِ طبع بات لکھی گئی ہو تو معافی کا خواستگار ہوں۔

خلاصۂ مکتوب :

1۔ ہشام بن عروہؒ کی روایت تزوج کو محدثین نے اَصل قرار دیا ہے اِس روایت میں '' لُعَبُهَا مَعَهَا '' نہیں ہے اور متابعات میں بھی نہیں ہے۔

2۔ صرف متابع عبدالرزاق میں یہ اضافہ " لُعَبُهَا مَعَهَا " ہے گو یہ سند بظاہر موصول معلوم ہوتی ہے مگر حقیقت میں بقول امام طحاوی منقطع ہے عبدالرزاق سے اُوپر تمام رُواۃ اِس اضافے سے بے خبر ہیں۔

3۔ ہر مصنف اپنی کتاب میں متناً وسنداً بہترین روایت کا انتخاب کرتا ہے مصنّفِ عبدالرزاق میں یہ روایت مرسل ہے اور اُن کے نزدیک یہی بہترین ہے۔

4۔ عبدبن حمید عَلٰی رَأْسِ الْمِأَتَیْنِ ۱۴ سال کے تھے اُنہوں نے یہ روایت عبدالرزاق سے اُن کے نابینا ہونے کے بعد سنی۔ عبدبن حمید کا ایصال خلافِ واقعہ ہے۔

5۔ بناء کے وقت حضرت عائشہؓ نابالغہ تھیں یا بالغہ روایات اِس سے خاموش ہیں۔ براہِ کرم اِس کو واضح فرمائیں۔

6۔ محدثینؒ کے نزدیک احکام کی روایات کا معیار سخت ہے اور غیر احکام کی روایات قبول کرنے میں وہ متشدّد نہیں ہیں۔

7۔ صحاح میں کافی روایات غیر منقّح موجود ہیں۔

8۔ محدثینؒ کے قبول روایت کے اُصول رعایتی ہیں۔ میں امام ابوحنیفہؒ اور امام مالک کے اُصول کو معیاری مانتا ہوں۔

9۔ قرآن وسنتِ ثابتہ کی روشنی میں ہر روایت کو پرکھا جاسکتا ہے مصنفینِ صحاح نے ہر روایت کی سند بیان کردی ہے۔ ہم ہر سند کو اُصولِ حدیث اور کتبِ رجال کی تصریح کی روشنی میں موضوعِ بحث بنا سکتے ہیں۔

مزید قابلِ غور اُمور :

1۔ بنیادی بات یہ ہے کہ میرے نزدیک امام ابوحنیفہؒ کی تحقیق حجت نیز امام ابوحنیفہؒ نے تمام علمی کام قرآن وسنت کی بنیاد پر کیا ہے۔ اور اُن کے ادّلہ نقلی و عقلی دُوسرے ائمہ ومحدثین کے ادّلہ سے زیادہ مستحکم ہیں۔

2۔ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک صحاح کے مصنفین کی پیدائش سے بہت پہلے مکمل ہو کر سلطنتِ اسلامی کا قانون بن چکا تھا۔

3۔ حنفی مسلک صحاح کی روایات کا محتاج نہیں ہے۔

4۔ امامؒ نے جن روایات پر اپنے مسلک کی بنیاد رکھی ہے وہ اُن کی اپنی اسناد سے ثابت ہیں۔ اور وہ اَسناد اَربابِ صحاح کی اَسناد سے زیادہ قوی ہیں کیونکہ اُن میں وسائط کم ہیں۔

5۔ میں کتاب الآثار کی روایات کو بخاری کی روایات پر ترجیح دیتا ہوں میرے لیے وہ حجت ہیں اُن کے مقابلے میں بخاری کی روایات حجت نہیں ہیں۔ مرسَل ابی حنیفہؒ موصول صحاح پر فائق ہے۔

6۔ امام بخاریؒ بے حد قابل احترام ہیں اور امام الروایات ہیں مگر ''قال بعض الناس'' کہہ کر امام ابوحنیفہ کے متعلق جس تعصب کا اظہار کیا ہے وہ غیر واقعی اور قابل مذمت ہے۔

7۔ امام بخاری صاحبِ مسلک امام نہیں ہیں راویٔ احادیث ہیں بلکہ امام الرواۃ ہیں۔

8۔ میں اُن مصطلحات کو تسلیم کرتا ہوں جو امام ابوحنیفہؒ اور اُن کے اصحاب سے منقول ہیں۔ پیچیدہ غیر مرتب غیر مفید مصطلحات کو ذہنی بار تصور کرتا ہوں۔

9۔ میرے نزدیک صحیح، حسن، غریب، ضعیف خالی اعتبارات ہیں اور ذہنی تمرین ہے۔

فقط والسلام

دُعا گو

نیاز احمد

(جاری ہے)

بقیہ : درس حدیث

وہ بعد کے درجے کے لوگ ہیں اُن سے وہ بہت بڑے درجے میں ہیں اُولٰئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَةً جو پہلے ہیں وہ بہت بڑے درجے میں ہیں لیکن ہر ایک اچھا ہے اچھے ہونے میں تفاوت ضرور ہے مگر اچھے ہیں سب وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى سب سے اللہ نے اچھائی کا وعدہ فرمایا ہے کہ اُن کو جزاء اچھی ملے گی اُس کے یہاں۔

رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے صحابۂ کرامؓ میں پہلا درجہ عشرہ مبشرہ کا پھر اَصحابِ بدر کا پھر اَصحابِ بیعتِ رضوان کا اور پھر اُن سب کا جنہوں نے مکہ مکرمہ کی فتح ہونے سے پہلے پہلے ہجرت کی ہے خرچ کیا ہے جہاد کیا ہے اُن کا درجہ آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو سب سے محبت عطاء فرمائے اور آخرت میں اُن کے ساتھ اپنے فضل وکرم سے محشور فرمائے، آمین۔ اختتامی دُعاء.........

عورتوں کے رُوحانی امراض

﴿ اَز افادات : حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ﴾

عورتوں کی اِصلاح کے طریقے :

☆ عورتوں کی تمام خرابیوں کی اَصل (جڑ اور بنیاد) ایک ہی اَمر ہے اگر اُس کی اِصلاح ہو جائے تو سب باتوں کی اِصلاح ہو جائے۔ وہ یہ کہ آج کل بے فکری ہوگئی ہے اگر ہر کام میں دِین کا خیال رکھا جائے کہ یہ کام جو ہم کرتے ہیں دِین کے موافق ہے یا نہیں تو اِنشاء اللہ چند روز میں اِصلاح ہو جائے گی۔

☆ اِصلاح کا طریقہ غور سے سننا اور سمجھنا چاہیے۔ اِصلاح کا طریقہ علم وعمل سے مرکب ہے اور علم یہ نہیں ہے کہ قرآن مجید کا ترجمہ پڑھ لیا یا تفسیر پڑھ لی نور نامہ وفات نامہ پڑھ لیا بلکہ کتاب وہ پڑھو جس میں تمہارے اَمراض کا بیان ہو یہ تو علم کا بیان ہوا۔ اور عمل (دو ہیں) ایک تو یہ کہ زبان روک لو۔ تمہاری زبان بہت چلتی ہے تم کو کوئی برا یا بھلا کہے تم ہرگز مت بولو۔ اِس طرح حسد وغیرہ سب جاتے رہیں گے اور جب زبان روک لی جائے گی تو اَمراض کے مبانی ومناشی (اسباب) بھی جاتے رہیں گے۔ ضعیف اور مضمحل ہو جائیں گے۔

☆ دُوسرا کام یہ کہ ایک وقت مقرر کر کے یہ سوچا کرو کہ دُنیا کیا چیز ہے؟ اور یہ دُنیا چھوٹ جانے والی ہے اور موت کا اور اُس کے بعد جو اُمور پیش آنے والے ہیں جیسے قبر اور منکر نکیر کا سوال اور اُس کے بعد قبر سے اُٹھنا اور حساب وکتاب اور پل صراط پر چلنا سب کو تفصیل کے ساتھ روزانہ سوچا کرو۔ اِس سے حُبِّ جاہ، حبِّ مال اور تکبر حرص غیبت حسد وغیرہ سب اَمراض جاتے رہیں گے۔

غرض علاج کا حاصل دو جز ہیں ایک علمی اور دُوسرا عملی۔ علمی جز کا حاصل یہ ہے کہ قرآن کے بعد ایسی کتابیں پڑھو جس میں احکامِ فقہ (مسائل) کے ساتھ دل کے اَمراض مثلاً حسد تکبر وغیرہ کا بھی بیان ہو۔ کم اَز کم بہشتی زیور کے ہی دَس حصے پڑھ لو۔ اور عملی جز کا حاصل دو چیزیں ہیں: کف لسان (یعنی زبان کو روکنا) اور موت کا مراقبہ۔ لیکن طوطے کی طرح بہشتی زیور کے الفاظ خود پڑھ لینے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا بلکہ یہ ضروری

ہے کہ کسی عالم سے سبقاً سبقاً (تھوڑا تھوڑا کر کے) پڑھے اگر گھر میں عالم موجود ہو۔ ورنہ گھر کے مردوں سے درخواست کرو کہ وہ کسی عالم سے پڑھ کر تم کو پڑھا دیا کریں مگر پڑھ کر بند کر کے مت رکھ دینا بلکہ ایک وقت مقرر کر کے ہمیشہ اِس کو خود بھی پڑھتی رہنا اور دُوسروں کو بھی سناتی رہنا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اِس طریقہ سے اِنشاءاللہ بہت جلد اِصلاح ہو جائے گی۔

عورتوں کی مکمل اِصلاح کا خاکہ اور دستور العمل کا خلاصہ :

☆ عورتیں کامل ہو سکتی ہیں اور اُن کے کمال کا طریقہ یہی ہے کہ اوّل تو وہ کتابیں دیکھیں جن میں مسائل اور شرعی اَحکام کا ذکر ہے۔ اُن کو دیکھ کر ہر عمل کے کامل کرنے کا طریقہ معلوم کر لیں اور جن اَعمال میں کوتاہی ہو رہی ہے اُس کی اِصلاح کریں یہ تو اَصل طریقہ ہے۔

☆ اور اِس میں آسانی پیدا کرنے کے لیے یہ طریقہ ہے کہ اگر کوئی کامل مرد اپنے محارِم میں مل جائے (جن سے پردہ نہیں) تو اُس کی صحبت سے فائدہ اُٹھائیں اُس سے اپنے اَخلاق و عادات کی اِصلاح کا طریقہ پوچھ کر دِل کی اِصلاح کر لیں۔

☆ اور اگر کوئی مرد ایسا نہ ملے تو کسی کاملہ (عورت) کی صحبت میں رہے اور اگر کوئی کاملہ بھی نہ ملے تو اپنے گھر کے مردوں کی صلاح اور اِجازت سے کسی دُوسرے بزرگ سے بذریعہ خط و کتابت اپنی اِصلاح کا تعلق رکھیں اور اُس کو اپنے حالات کی خبر دیتی رہیں۔ جو کچھ وہ لکھے اُس پر عمل کریں اور گھر ہی میں رہیں اور اُس کے پاس جانے کی زحمت نہ اُٹھائیں۔

☆ ہاں اپنے گھر پر بزرگوں کے قصے اور اُن کے حالات اور ملفوظات اور اُن کی تصانیف کا مطالعہ جاری رکھیں۔ اُس سے بھی وہی نفع ہوگا جو پاس رہنے والے سے ہوا کرتا ہے۔ اور اگر مردوں میں سے کسی کو بزرگوں کے پاس جانے کی فرصت نہ ہو وہ بھی اِس طریقہ پر عمل کریں۔ انشاءاللہ اِس طرح اُن کا بھی دِین کامل ہو جائے گا۔ (الکمال فی الدین)

یہ صورت تو عورتوں کے اِصلاح کی آج کل نہیں ہو سکتی کہ وہ آپس میں ہم جنس عورت سے فیض حاصل کر لیا کریں۔ اب تو وہی صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ جن عورتوں کے محارم قریبی رشتہ داروں میں کوئی کامل ہو وہ اُس سے فیض حاصل کرے۔ جس کا شوہر کامل ہو وہ اپنے شوہر سے فیض حاصل کرے مگر اِس میں مشکل یہ

ہے کہ شوہر تو بعض جگہ غلام ہوتا ہے۔ ورنہ برابر کا دوست تو ہے ہی۔ شوہر کی تعظیم و تکریم عورتیں اِس درجہ نہیں کرتیں جتنی مربی پیر کی تعظیم ہونی چاہیے اور اُس کے بغیر فائدہ نہیں ہوسکتا۔

دُوسرے بیوی کو شوہر سے ویسا اعتقاد بھی نہیں ہوتا جیسا دُوسروں سے اعتقاد ہوتا ہے۔ گو اپنا شوہر کتنا ہی بڑا کامل ہو۔ ایسی صورت میں اگر عورتیں اپنے شوہر سے فیض حاصل نہ کرسکیں اور اپنے محارم (قریبی رشتہ دار جن سے ہمیشہ کے لیے نکاح حرام ہوتا ہے) اُن میں بھی کوئی کامل نہ ہو تو اَب دُوسری صورت یہ ہے کہ بزرگوں کی کتابیں اور اُن کے ملفوظات و مواعظ کا مطالعہ کیا جائے۔ بزرگوں کی تصانیف اور اُن کے ملفوظات میں بھی وہی اَثر ہوتا ہے جو اُن کی صحبت میں ہوتا ہے۔ جب آفتاب چھپ جائے تو اَب چراغ سے روشنی حاصل کرنی چاہیے۔ اہل اللہ کے کلام میں نور ہوتا ہے اُس کا اَثر ہوتا ہے۔ (الکمال فی الدین ص ۱۱۰)

بزرگوں کے کلام میں نور ہوتا ہے اور تجربہ و مشاہدہ سے یہ بات ثابت ہے کہ بزرگوں کی تصانیف (کتابوں) سے بھی قریب قریب وہی فائدہ ہوتا ہے جو اُن کے ساتھ رہنے سے ہوتا ہے گو بالکل اُس کے برابر نہ ہو مگر اُس کے قریب ضرور ہوگا۔ تو اگر عورتوں کو بزرگوں کی صحبت میسر نہ آسکے تو اُن کے ملفوظات اور اَحوال موجود ہیں اُن کو دیکھتی رہا کریں، اِنشاء اللہ ضرور کمال حاصل ہوگا۔

الحمدللہ اِس سوال کا جواب ہر پہلو سے مکمل ہوگیا ہے کہ عورتوں کے لیے معیت صادقین (یعنی سچے لوگوں کی صحبت اِختیار کرنے) کی کیا صورت ہوگی۔

خلاصہ یہ ہے کہ جن کے محارِم میں کوئی کامل نہ ہو وہ اُس کی تلاش کریں کہ کوئی عورت کامل فی الحال ملے تو اُس کی صحبت سے فائدہ اُٹھائیں اور جس کو دونوں باتیں میسر نہ ہوں وہ بزرگوں کے کلام اور ملفوظات اور قصّے اور حالات کا مطالعہ کریں۔ بس اَب عورتوں کے لیے بھی میں نے (آیت کی روشنی میں) کمالِ دِین حاصل کرنے کا آسان طریقہ بتلا دیا ہے۔ آگے اُن کی ہمت ہے عمل کریں یا نہ کریں (الکمال فی دین النساء ۱۲۱ ملحقہ حقوق الزوجین ص ۱۲۲)۔ (جاری ہے)

قسط : ۳

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مناقب

﴿ حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب رحمة اللہ علیہ ﴾

حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے تین صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔ اوّل حضرت رُقیہ رضی اللہ عنہا جنہوں نے بچپن میں اِنتقال فرمایا اِسی وجہ سے بعض مؤرخین نے اِن کو لکھا بھی نہیں ہے۔ دُوسری صاحبزادی حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا تھیں۔ اِن کا پہلا نکاح حضرت اَمیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا جن سے ایک صاحبزادے حضرت زید رضی اللہ عنہ اور ایک صاحبزادی حضرت رُقیہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت عون بن جعفر رضی اللہ عنہ سے نکاح ہوا اور اِن سے کوئی اَولاد نہیں ہوئی۔ پھر جب اِن کی وفات ہوگئی تو اِن کے بھائی حضرت محمد بن جعفر رضی اللہ عنہ سے نکاح ہوا اِن سے ایک صاحبزادی پیدا ہوئیں جو بچپن ہی میں وفات پا گئیں۔ پھر حضرت محمد بن جعفر رضی اللہ عنہ کے اِنتقال کے بعد اُن کے بھائی حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے نکاح ہوا اِن سے بھی کوئی اَولاد نہیں ہوئی اور اِن ہی کے نکاح میں حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی اور اُسی روز اُن کے صاحبزادے حضرت زید رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پیدا ہوئے تھے۔ حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تیسرؔی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا تھیں، اِن کا نکاح حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا جن سے دو صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ اور عون رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ پھر جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی وفات ہوگئی تو حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے اِن کی بہن حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمالیا جس کا ذکر اُبھی گزرا۔

یہ اَولاد (تین لڑکے تین لڑکیاں) حضرت سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ہوئیں اِن کے علاوہ اِن کی دُوسری بیویوں سے جو بعد میں اِن کے نکاح میں آئیں اور بھی اَولاد ہوئی۔ مؤرخین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تمام اَولاد کی تعداد ۳۲ لکھی ہے جن میں سولہ لڑکے اور سولہ لڑکیاں

تھیں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پندرہ لڑکے اور پانچ لڑکیاں پیدا ہوئیں اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے چھ لڑکے اور تین لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ (اَز حکایاتِ صحابہؓ) رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمْ وَاَرْضَاھُمْ اَجْمَعِیْنَ وَجَعَلْنَا بِھَدْیِھِمْ مُّتَّبِعِیْنَ وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ :

حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنحضرت ﷺ کی سب سے زیادہ پیاری اور چہیتی صاحبزادی تھیں۔ اِن کو آنحضرت ﷺ نے جنت کی عورتوں کی سردار بتایا ہے۔ اِن کی شادی کس سادگی سے آنحضرت ﷺ نے کی، یہ بہت غور کرنے اور غور کرنے اور غور کرنے کے بعد اپنی اَولاد کی شادیاں اِس کے مطابق کرنے کی چیز ہے۔ آج جو لوگ آنحضرت ﷺ اور آپ کے اہلِ بیت (علیہم الرحمۃ والرضوان) کی محبت کے بڑے دعوے کرتے ہیں لیکن اِن کے اتباع اور اِقتداء کو اپنی اور خاندان کی ذلت اور عار سمجھتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نکاح کا پیغام دیا آنحضرت ﷺ نے قبول فرمالیا۔ منگنی کے تمام طریقے جن کا آج کل رواج ہے اِن میں سے کوئی بکھیڑا بھی نہ کیا گیا۔ یہ طریقے لغو اور سنت کے خلاف ہیں پھر آنحضرت ﷺ نے خود ہی نکاح پڑھایا۔ اِس سے معلوم ہوا کہ باپ کا لڑکی کے نکاح کے وقت چھپے چھپے پھرنا جس کا آج کل دستور ہے یہ بھی آنحضرت ﷺ کے طریقہ کے خلاف ہے۔ بہتر یہ ہے کہ باپ خود اپنی لڑکی کا نکاح پڑھ دیوے۔ مہر بھی تھوڑا سا مقرر کیا گیا۔ ہزاروں روپے مہر میں مقرر کرنا اور وہ بھی فخر اور بڑائی جتانے کے لیے اور پھر اَدا نہ کرنا اِس میں آنحضرت ﷺ کا اتباع کہاں ہے؟ جو لوگ مہر زیادہ باندھ دیتے ہیں اور پھر اَدا نہیں کرتے وہ قیامت کے روز بیوی کے قرض داروں میں ہوں گے۔

حضرت سیّدہ فاطمہؓ کی رُخصتی صرف اِس طرح ہوئی کہ حضرت اُم ایمنؓ کے ساتھ آنحضرت ﷺ نے اُن کو دولہا کے پاس بھیج دیا۔ یہ دونوں جہاں کے بادشاہ ﷺ کی صاحبزادی کی رُخصتی تھی جس میں نہ دھوم دھام نہ میانہ، نہ پالکی نہ روپیوں کی بکھیر نہ حضرت علیؓ گھوڑے پر چڑھ کر آئے نہ آنحضرت ﷺ نے اِن سے کمنیوں کا خرچ دلوایا نہ کنبہ برادری کا کھانا کیا نہ حضرت علیؓ نے بارات چڑھائی نہ آتش بازی کے ذریعہ اپنا مال پھونکا۔ دونوں طرف سے سادگی برتی گئی۔ قرض اُدھار کر کے کوئی کام نہیں کیا۔ مسلمانوں کو لازم ہے کہ سردارِ دوجہاں ﷺ کی پیروی کو نہ صرف اعتقاد سے بلکہ عمل سے ضروری سمجھیں۔ (باقی صفحہ ۶۳)

قسط : ۳ ، آخری

کیا تکافل کا نظام اِسلامی ہے؟

﴿ حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب ﴾

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہٗ کی کوششوں سے اِنشورنس کے مروجہ نظام کی جگہ ''تکافل'' کے نام سے اِسلامی انشورنس کا نظام بہت تیزی سے پھیل رہا ہے۔ اِس نظام کے بارے میں ہم نے مولانا تقی عثمانی مدظلہٗ کا ایک عربی رسالہ اور اُن کے دارالعلوم کے ایک اُستاد ڈاکٹر اعجاز احمد صاحب صمدانی کی ایک کتاب کا مطالعہ کیا تو ہمیں یہ نظام شریعت کے متصادم نظر آیا، اِسی کے بیان میں یہ زیرِ نظر مضمون ہے۔ (عبدالواحد غفرلہٗ)

پہلا اشکال :

(مدرسہ یا کنویں کی) جو مثالیں اُوپر ذکر کی گئیں اُن کے اندر وقف سے فائدہ حاصل کرنے کے لیے یہ شرط نہیں کہ وقف سے فائدہ اُٹھانے والے شخص نے بھی کچھ نہ کچھ عطیہ ضرور دیا ہو بلکہ مثلاً جب کوئی کنواں وقف ہوگیا تو اَب اُس سے یہ پیاسا شخص پانی پی سکتا ہے چاہے اُس نے کنویں کو خرید کر وقف کرنے میں کوئی حصہ ملایا ہو یا نہ ملایا ہو۔ (بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ خواہ اُس نے کنویں کے اَخراجات کے لیے چندہ دیا ہو یا نہ دیا ہو۔............عبدالواحد) تکافل ص 102,103۔

صمدانی صاحب کا جواب :

''وقف کے اَندر اِس بات کی شرعاً گنجائش ہے کہ وہ کسی مخصوص طبقے یا افراد کے لیے ہو مثلاً کوئی شخص یہ شرط لگائے کہ میں فلاں باغ اِس شرط پر وقف کرتا ہوں کہ اِس کا پھل صرف فلاں رشتہ داروں کو یا میری اَولاد کو دیا جائے یا میری زندگی میں مجھے ملتا رہے اور میرے بعد فلاں بستی کے فقراء اِس سے فائدہ اُٹھائیں۔

وقف کرنے والا وقف کے مصالح کے پیش نظر وقف کے دائرہ کو مخصوص افراد تک محدود رکھنا چاہے تو ایسا کرسکتا ہے۔ تکافل کمپنی میں وقف کی بنیاد پر قائم پول کو اگر بالکل عام کر دیا جائے اور ہر شخص کو اِس سے اپنا رسک کور (risk cover) کرنے کی اجازت دی جائے تو ظاہر ہے کہ اِس پول میں ہرگز اِس کی گنجائش (Capacity) نہیں لٰہذا ضروری ہوگا کہ یہ وقف کسی مخصوص طبقے کے لیے ہو۔ پس اگر واقفین شروع میں یہ شرط لگا دیں کہ اِس وقف سے صرف وہ لوگ فائدہ اُٹھا سکتے ہیں جو اِس وقف کو عطیہ (Donation) دیں تو یہ قید (Restriction) لگانا ناجائز نہیں ہوگا۔ (تکافل ص103)

ہم کہتے ہیں کہ :

1- اشکال یہ تھا کہ اُوپر دی گئی مثالوں میں مثلاً کنویں سے پانی پینے میں یا مدرسہ میں بچوں کو تعلیم دِلوانے میں یہ شرط نہیں ہے کہ آدمی نے وقف کو کچھ چندہ دیا ہو جبکہ تکافل کے وقف فنڈ میں یہ شرط ہے لٰہذا وہ تکافل کی مثالیں نہ بنیں۔ ان کو تکافل کی مثالیں بنانے کے لیے صمدانی صاحب کو دو میں سے ایک کام کرنا تھا۔

i- یا تو وہ کہتے کہ کنویں سے پانی پینا بھی چندے (یا قیمت) کے ساتھ مشروط ہوسکتا ہے اور مدرسہ میں تعلیم بھی چندے (یا فیس) کے ساتھ مشروط ہوسکتی ہے جو معاوضہ ہے۔

لیکن صمدانی صاحب نے اِس جواب سے اعراض کیا تاکہ وہ عقد معاوضہ کے چکر میں نہ پھنس جائیں کیونکہ پانی اور تعلیم تو روپے کے عوض میں ہوسکتے ہیں لیکن اِنشورنس کا کلیم تو خود رُوپوں میں ہوتا ہے اور رُوپوں کے معاوضہ میں کمی بیشی سود ہے۔

ii- یا وہ یہ کہتے کہ جب وقف میں اِتنی گنجائش نہیں تو جیسے مدرسہ میں طلبہ کی تعداد ایک حد تک ہی ہوسکتی ہے اِسی طرح چندے کی شرط کے بغیر کسی مخصوص علاقہ کے لوگوں کو اِس کی سہولت مہیا کی جاتی یا پہلے رابطہ کرنے والے سوا افراد کو وقف سے فائدہ پہنچایا جاتا۔

لیکن صمدانی صاحب نے اِس جواب کو بھی اختیار نہیں کیا کیونکہ اِسطرح تکافل کمپنی کو کچھ فائدہ نہیں ہوتا اِس لیے صمدانی صاحب نے اپنے دعوے پر جو اشکال ظاہر کیا اُس کے جواب میں بھی صرف دعوے کو ذکر کر دیا۔ اُن کا دعوٰی تھا کہ ''وقف کو تبرع کے طور پر رقم دینے والا اِسی طرح پول سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے

جس طرح مدرسہ یا قبرستان کو چندہ دینے والا'' اور اِس پر ہونے والے اشکال کا جواب یہ دیا کہ وقف کرنے والا چندے کی شرط لگا سکتا ہے۔ لہٰذا صرف وقف کو چندہ دینے والا ہی اِس سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ واقف کے شرط لگانے سے ہی شرط وجود میں آتی ہے اور انتفاع مشروط بنتا ہے لیکن سوال تو یہ ہے کہ ممثل مشروط نہیں ہے جبکہ ممثل لہ مشروط ہے حالانکہ ممثل کو بھی مشروط کیا جا سکتا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ اِس کے جواب سے صدانی صاحب نے کنی کترا لی ہے۔

2- صدانی صاحب کے یہ الفاظ : ''اِس وقف سے صرف وہ لوگ فائدہ اُٹھا سکتے ہیں جو اِس وقف کو عطیہ دیں۔'' اِس پر واضح دلیل ہیں کہ یہ عقد معاوضہ (Commutative deal) ہے کیونکہ وقف فنڈ اور پالیسی ہولڈر آپس میں عوض کے طور پر لین دین کرتے ہیں اور

i- عقود میں اعتبار معانی کا ہوتا ہے الفاظ کا نہیں۔

ii- وقف شخص قانونی ہے اور وہ یہ کہتا ہے کہ ''تم مجھے چندہ دو گے تو حادثہ کی صورت میں میں تمہیں تلافی کی رقم دُوں گا۔ اور تھوڑا چندہ دو گے تو تھوڑی تلافی کروں گا زیادہ دو گے تو زیادہ کروں گا۔''

اگر مولانا تقی عثمانی مدظلہ اور صدانی صاحب اِس پر اصرار کریں کہ چندہ تو ہدیہ وعطیہ ہے اس میں عوض کا معنٰی نہیں اور پالیسی ہولڈر کے نقصان کی تلافی وقف کی شرط کی وجہ سے ہے تو یہ عجیب چکر ہے۔ اِن کی بات اُس وقت تو متصور ہو سکتی ہے جب کوئی محض نیکی کا کام سمجھ کر وقف فنڈ میں چندہ دے اور تکافل یا اِنشورنس کا اُس کو کچھ پتہ نہ ہو یا اُس کا اس سے آئندہ انتفاع کا واقعی کچھ ارادہ نہ ہو۔ پھر اتفاق سے حادثہ کی صورت میں اُس کو تکافل کمپنی نے یا کسی اور نے بتایا کہ تم تو فلاں وقف فنڈ سے نقصان کی تلافی کے حقدار ہو۔ لیکن جہاں پہلے ہی باہمی معاملہ کے سارے شرائط وضوابط طے کیے جاتے ہوں اور کوئی بھی عوض کے لالچ یا توقع کے بغیر تکافل کمپنی کے دفتر میں قدم نہ رکھتا ہو اور پوری لکھت پڑھت کی جاتی ہو وہاں اِس قسم کے حیلے بہانے معاملہ کی حقیقت کو نہیں بدلتے ورنہ تو معاشیات کے اِس انتہائی ترقی یافتہ دور کے لوگ یہ سمجھنے میں حق بجانب ہوں گے کہ معاشیات میں اِسلام کے پاس سوائے حیلے بہانوں کے اور کچھ نہیں ہے۔

دُوسرا اشکال :

صدانی صاحب لکھتے ہیں ''وقف کا یہ طریقہ بھی ہے کہ جو زیادہ عطیہ دے (یعنی زیادہ پریمیم دے) وہ

اُس شخص سے زیادہ نقصان کی تلافی کا حقدار ٹھہرتا ہے جو اِس کے مقابلے میں کم عطیہ دے کہ وہ کم نقصان کی تلافی کا حقدار ٹھہرتا ہے گویا عطیہ (پریمیم) کی کمی اور زیادتی کی بنیاد پر نقصان کی تلافی میں کمی زیادتی کرنا اُسے عقدِ معاوضہ کے قریب کر دیتا ہے۔'' (تکافل ص 102)

صمدانی صاحب کا جواب :

> پالیسی ہولڈرز تبرع (عطیہ) کے طور پر وقف پول میں جو رقوم جمع کرائیں اُس میں کمی زیادتی کی بنیاد پر کم یا زیادہ نقصان کی تلافی اگر پالیسی ہولڈر کا قانونی حق نہ ہو بلکہ وقف کی طرف سے صرف وعدہ ہو تو پھر یہ معاملہ بلاشبہ عقدِ معاوضہ میں داخل نہیں اِس لیے کہ عقدِ معاوضہ میں ہر فریق کو اپنا معاوضہ لینے کا حق حاصل ہوتا ہے جبکہ یہاں ایسا نہیں ہے۔ (تکافل ص 103)

ہم کہتے ہیں :

تکافل کمپنی کے وقف فنڈ کی شرائط میں یہ بات گزر چکی ہے کہ وقف سے صرف وہ لوگ فائدہ اُٹھا سکتے ہیں جو اِس وقف کو چندہ وعطیہ دیں گے۔ اور ضابطہ ہے کہ **شرط الواقف کنص الشارع** یعنی واقف کا شرط لگانا ایسا ہے جیسے شارع کا فرمان (تکافل ص 100) جس کا دُوسرے لفظوں میں یہ مطلب ہے کہ واقف کی شرط کو قانونی حیثیت حاصل ہے محض اخلاقی نہیں اور اِس کی بنیاد پر چندہ و پریمیم ادا کرنے والے وقف سے فائدہ اُٹھانے کے قانونی حقدار ہوئے اور وہ قانونی بنیادوں پر اپنا حق وصول کر سکتے ہیں۔

جناب صمدانی صاحب بھی اِن کے قانون حق کے احتمال کو تسلیم کرتے ہیں لیکن اِس صورت میں وہ عجیب تاویل کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں :

> ''لیکن اگر تبرع کی کمی اور زیادتی کی بنیاد پر نقصان کی تلافی میں کمی اور زیادتی پالیسی ہولڈرز کا قانونی حق ہو تو اِس کی دو صورتیں ہیں :
>
> پہلی صورت یہ ہے کہ پالیسی ہولڈر اِس بنیاد پر اپنے قانونی حق کا دعویٰ کرے کہ اُس نے فلاں وقت وقف پول کو اِتنی رقم کا پریمیم دیا تھا جس کی وجہ سے اِس کے نقصان کی تلافی کرنا وقف کے ذمہ لازم ہے۔ یہ صورت یقیناً ناجائز ہے کیونکہ یہ بات اُسے عقدِ معاوضہ

میں داخل کر دیتی ہے جس کے نتیجہ میں وہ ساری خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں جو کمرشل اِنشورنس میں موجود ہیں۔

دُوسری صورت یہ ہے کہ پالیسی ہولڈر اپنے دیے گئے تبرع کی بنیاد پر نقصان کی تلافی کا دعویٰ نہ کرے بلکہ وقف کے اپنے طے شدہ قواعد وضوابط کو بنیاد بنا کر اِس بات کا دعویٰ کرے کہ میں اِن قواعد کی بنیاد پر وقف کی طرف سے تلافی نقصان کا حقدار ہوں...... پالیسی ہولڈر شرعًا اِس طریقے پر اپنا قانونی حق استعمال کرسکتا ہے اور اُس کا یہ قانونی حق اِس صورت کو عقد معاوضہ میں داخل نہیں کرتا۔(تکافل ص 104,105)

صدانی صاحب کی اِس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ پالیسی ہولڈر کا اگر قانونی حق بھی تسلیم کرلیا جائے تو اِس کے استعمال کا مذکورہ دُوسرا طریقہ جائز ہے جو معاوضہ کے مفہوم سے خالی ہے۔

ہم کہتے ہیں :

جب واقف کی شرائط کو قانونی حیثیت حاصل ہے اور پالیسی لینے کو بھی قانونی حیثیت حاصل ہے تو یہ کہنا بھی دُرست ہے کہ وقف پر لازم ہوجاتا ہے کہ شرط پوری ہونے پر وہ پالیسی ہولڈر کے نقصان کی تلافی کرے۔اور یہ کہنا بھی دُرست ہے کہ پالیسی ہولڈر کو عقلاً وشرعًا حق ہوتا ہے کہ وہ کسی بھی طریقے سے اپنا قانونی حق حاصل کرے خواہ صدانی صاحب کی ذکر کردہ پہلی صورت سے یا اُن کی ذکر کردہ دُوسری صورت سے۔

اِس کا بیان یہ ہے کہ واقف کی شرائط کا تعلق دو چیزوں سے قائم ہوا ہے ایک پالیسی ہولڈر کے چندہ یا پریمیم ادا کرنے سے اور دُوسرا وقف کی طرف سے تلافی نقصان سے۔اِس لیے پالیسی ہولڈر کو اختیار ہے کہ وہ اِن دو میں سے کسی بھی تعلق کا حوالہ دے کر تلافی کا مطالبہ کرے۔غرض وہ یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ میں نے فلاں وقت وقف پول کو اِتنی رقم کا پریمیم دیا تھا جس کی وجہ سے میرے نقصان کی تلافی کرنا وقف کے ذمہ لازم ہے اور یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ وقف کے قواعد وضوابط کی بنیاد پر میں نقصان کی تلافی کا حقدار ہوں،اور دونوں صورتوں میں وقف فنڈ اور پالیسی ہولڈر کے درمیان معاملہ کے عقد معاوضہ ہونے میں کچھ اشکال نہیں رہتا۔

معاملہ کے عقد معاوضہ ہونے پر مندرجہ ذیل دو باتیں بھی واضح دلیل ہیں :

i- چندے کی کمی وزیادتی کی بنیاد پر نقصان کی تلافی کی کمی وزیادتی۔

ii- پریمیم ادا کرتے وقت پالیسی ہولڈر کی یہ نیت ہوتی ہے کہ اُسے اِس کے بدلے کچھ نہ کچھ ملے بلکہ اگر اُس کا نقصان زیادہ ہو تو زیادہ ملے۔ اور اِس پر کھلا قرینہ یہ ہے کہ خواہ اِسلامی اِنشورنس ہی ہو آدمی اِسی غرض سے کراتا ہے اور ساری لکھت پڑھت کرتا ہے کہ اُس کے نقصان کی تلافی ملے۔

صمدانی صاحب کا اِس کے عقد معاوضہ ہونے سے اِنکار کرنا اور اِنکار کرنے کی وجہ :

صمدانی صاحب معاملہ کے عقد معاوضہ ہونے کا اِنکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وقف کو چندہ دینا ایک مستقل معاملہ ہے اور وقف کے قواعد کے مطابق چندہ دینے والے کا نقصان کی تلافی کرانے کا حقدار ٹھہرنا بالکل دُوسرا معاملہ ہے۔'' (تکافل ص 106)

عقد معاوضہ کی نفی کرنے کی خاطر صمدانی صاحب پالیسی ہولڈر اور وقف فنڈ کے درمیان معاملات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

''اِس فنڈ کے اَندر وہ (یعنی پالیسی ہولڈرز) اِس لیے رقم جمع کرا رہا ہوتا ہے کہ اُس پول میں موجود اَفراد (یعنی دیگر پالیسی ہولڈرز) میں سے اگر کسی کو مالی نقصان ہو تو اُس کی رقم کو بھی اِس نقصان کے پورا کرنے کے لیے استعمال کیا جا سکے اور مجموعی طور پر اگر اِسے بھی کوئی نقصان ہو تو دُوسرے شرکاء بھی اِس پر تیار ہیں کہ اِن کے پریمیم سے اُس کا نقصان پورا کیا جائے لیکن یہ شرط نہیں کہ میں اِس لیے پریمیم دے رہا ہوں کہ میرا نقصان پورا کیا جائے کیونکہ مجھے نقصان ہونے کا یقین نہیں اور نہ ہی دُوسرے افراد کو یقین ہے بلکہ نقصان کے احتمال کی بنیاد پر یہ رقم جمع کی جا رہی ہے۔'' (تکافل ص 114)

''پالیسی ہولڈر کے نقصان کو پورا کرنے کی ذمہ داری پالیسی ہولڈر کے تبرعات سے وجود میں آنے والے حوض (پول) پر ہوتی ہے۔ (تکافل) کمپنی یہ کہتی ہے کہ یہ پول تمہارا نقصان پورا کرے گا اگر اِس کے اندر نقصان پورا کرنے کی گنجائش ہوئی تو آپ کے نقصان کی تلافی کر دی جائے گی اور اگر پول کے اَندر گنجائش نہ ہوئی تو یہ نقصان پورا نہیں کیا جائے گا۔ (تکافل ص 115)

ہم کہتے ہیں :

صمدانی صاحب کی یہ بات کئی وجوہ سے محلِ نظر ہے :

1- صمدانی صاحب نے پالیسی ہولڈر کے رقم جمع کرانے کی جو تاویل کی ہے وہ محض اُن کی اختراع ہے جو اُن کی دیگر تصریحات کے خلاف ہے۔ اِس بات کی تصریح پہلے گزر چکی ہے کہ پالیسی ہولڈر کی جمع کرائی ہوئی رقم وقف فنڈ کی ملکیت میں داخل ہو جاتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ پالیسی ہولڈر کا اَب اِس رقم سے کوئی تعلق نہیں رہا اور اَب وقف فنڈ پر ہے کہ وہ اِس کو اپنے قواعد وضوابط کے مطابق خرچ کرے۔ لیکن صمدانی صاحب اِس کو وقف فنڈ کے ملکیتی ہونے کے بجائے اِس کے پاس اَمانت ہونے کو بیان کرتے ہیں اور لکھتے ہیں ''اس پول میں موجود افراد میں سے اگر کسی کو مالی نقصان ہو تو اُس کی رقم کو بھی اِس نقصان کے پورا کرنے کے لیے استعمال کیا جا سکے'' حالانکہ اَب وہ اِس کی رقم تو رہی نہیں۔ اسی طرح وہ یہ بھی لکھتے ہیں ''امانت کا عقد جس کی وجہ سے پالیسی ہولڈر کی رقم کمپنی کے پاس (یا وقف فنڈ کے پاس) بطور امانت آجاتی ہے'' (تکافل ص 114)

2- تکافل کمپنی کے ساتھ پالیسی ہولڈر جو بھی معاملہ کرتا ہے وہ درحقیقت ایک مکمل معاملہ ہے یعنی یہ کہ پالیسی ہولڈر یہ معلوم کر کے کہ وقف فنڈ سے اُس کے موہوم نقصان کی تلافی ملتی ہے وہ اِس کے لالچ میں تکافل کمپنی سے یکبارگی مکمل معاملہ کرتا ہے۔ لیکن صمدانی صاحب اِس معاملہ کے حصے بخرے کرتے ہیں اور ہر حصہ کی علیحدہ علیحدہ تاویل کر کے اُس کو سیدھا دکھانے کے درپے ہیں۔

3- اِس بات کو پیش نظر رکھا جائے کہ وقف فنڈ خود ایک شخص قانونی ہے اور وقف فنڈ کو جو چندہ دیا جائے وہ اُس کی ملکیت میں داخل ہو جاتا ہے تو صمدانی صاحب کی مذکورہ بالا عبارتوں کا حاصل یہ ہوگا کہ وقف فنڈ زید سے کہتا ہے کہ تم مجھے اِتنا چندہ دو تو میں بشرط موجودگی وسائل تمہارے ممکنہ نقصان کی تلافی کروں گا اور زید یہ جانتے ہوئے کہ ہوسکتا ہے کہ اُس کا نقصان ہو اور ہوسکتا ہے کہ نہ ہو اور یہ بھی جانتے ہوئے کہ وقف فنڈ کی ملکیت میں تلافی کے لیے رقم ہوسکتا ہے ہو اور ہوسکتا ہے نہ ہو چندے کی رقم وقف فنڈ میں جمع کراتا ہے۔

صمدانی صاحب کی اِس بات کا خلاصہ نکالیں تو یہ نکلے گا کہ زید موہوم تلافی کی خاطر وقف فنڈ کو چندہ دیتا ہے۔ یہ بات عقد معاوضہ ہونے کے منافی بھی نہیں اور علاوہ ازیں قمار ہونے پر بھی صریح دلیل ہے۔

4- ایک اور پہلو جو قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ پالیسی ہولڈر کی جانب سے وقف فنڈ کو عطیہ و چندہ

دیا جاتا ہے لیکن شرط فاسد کے ساتھ یعنی موہوم تلافی کی شرط کے ساتھ۔ اَب کوئی کہے کہ ہدیہ و چندہ شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا بلکہ خود شرط باطل ہو جاتی ہے۔ اور اِس سے یہ ہوتا ہے کہ چندہ دینے کی بالکل مستقل اور غیر مشروط حیثیت بن جاتی ہے اِس لیے پالیسی ہولڈر اِس کی بنیاد پر تلافی نقصان کا مطالبہ نہیں کرسکتا۔ اور وقف فنڈ کی جانب سے نقصان ایک بالکل الگ اور مستقل معاملہ ہے جو واقف کی شرائط کے تحت ہے۔

ہم کہتے ہیں اِتنی بات تو دُرست ہے کہ پالیسی ہولڈر کا دیا ہوا چندہ شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوگا۔ اور وہ موہوم تلافی کا حقدار نہیں ہوگا۔ لیکن اگر وہ اِس کے باوجود نقصان کی تلافی وصول کرتا ہے تو اَب یہ سارا معاملہ ایک ہو کر فاسد ہو جائے گا جیسا کہ اُس صورت میں ہوتا ہے جب زید بکر کو کہے کہ میں تمہیں ایک ہزار روپے کا قرض اِس شرط سے دیتا ہوں کہ تم مجھے اِس کے گیارہ سو واپس کرو گے۔ بکر نے ایک ہزار روپیہ وصول کرلیا۔ اِس حد تک تو معاملہ صحیح ہوگا اور شرط فاسد خود باطل ہو جائے لیکن اگر بکر نے گیارہ سو واپس کیے اور زید نے وہ قبول کر لیے تو یہ سب معاملہ ایک ہو کر سود کا ہو جائے گا اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ زید کا قرض دینا بھی دُرست ہوا اور چونکہ شرط فاسد باطل ہو گئی تھی لٰہذا بکر نے جو سو روپے زائد واپس کیے وہ اِس شرط کے تحت نہیں آتے بلکہ وہ ایک نیا ہبہ ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ پالیسی ہولڈر اور وقف فنڈ کے درمیان عقد معاوضہ واقع ہوتا ہے اور تکافل یا اِسلامی اِنشورنس کے تحت یہ معاملہ سود، قمار اور غرر پر مشتمل ہے۔

تکافل سے ہٹ کر مروجہ اِنشورنس میں بھی یہی تین خرابیاں جو خود صمدانی صاحب یوں ذکر کرتے ہیں :

''مروجہ اِنشورنس کے اندر بنیادی طور پر تین خرابیاں موجود ہیں۔

1- ربا (Interest)

2- قمار (Gambling)

3- غرر (Uncertainty) (تکافل ص 120)

صمدانی صاحب چونکہ تکافل کے عقد تبرع ہونے پر پختہ ہیں اِس لیے وہ اِس کو ہر مرض کی دوا سمجھتے ہیں اور لکھتے ہیں :

مروجہ اِنشورنس میں ہونے والا معاملہ عقد معاوضہ تھا جس کی وجہ سے درج بالا خرابیاں

پیدا ہوئی ہیں۔ اِسلامی اِنشورنس میں اسے عقد تبرع میں تبدیل کر دیا گیا جس سے ربا (سود) کی خرابی تو بالکل ختم ہوگئی کیونکہ سود اُسی صورت میں پایا جاتا ہے جب دو چیزوں کی تبدیلی عقد معاوضہ کی بنیاد پر ہو۔ جب معاملہ معاوضہ کی بنیاد پر نہ ہو بلکہ کوئی شخص اپنی طرف سے تبرعاً زیادہ دے دے تو اِس میں کوئی حرج نہیں بلکہ شرعاً پسندیدہ ہے مثلاً کسی شخص نے آپ کو سو روپے ہدیے کے طور پر دیے۔ پھر کسی موقع پر آپ کی اِس سے ملاقات ہوئی تو آپ نے دو سو روپے ہدیے کے طور پر دے دیے تو یہ نہ صرف جائز بلکہ پسندیدہ ہوگا اور اِسے ربا نہیں کہا جائے گا کیونکہ اُس نے آپ کو سو روپے اِس شرط پر نہیں دیے تھے کہ آپ اُسے کچھ بڑھا کر واپس کریں گے............

باقی دو خرابیاں غرر اور قمار کی ہیں۔ ان دونوں کی بنیاد غیر یقینی کیفیت (Uncertainty) پر ہے۔ ظاہر ہے کہ غیر یقینی کیفیت تکافل کے اَندر بھی موجود ہے کیونکہ اِس میں پالیسی ہولڈر ایک ایسے نقصان کی تلافی کے لیے پریمیم جمع کراتا ہے جس کا پایا جانا غیر یقینی ہے کہ یہ معلوم نہیں کہ پالیسی ہولڈر کو وہ نقصان پیش آئے گا یا نہیں؟

لیکن اِسلامی تکافل کے اَندر اِس غیر یقینی کیفیت سے عقد ناجائز نہیں ہوتا کیونکہ اِس کی بنیاد عقد تبرع پر ہے اور تبرعات کے اَندر غیر یقینی کیفیت (Uncertainty) کا پایا جانا ممنوع نہیں جبکہ عقود معاوضہ کے اَندر ممنوع ہے۔

اِس کو بذریعہ مثال یوں واضح کیا جا سکتا ہے کہ مثلاً میرے پاس ایک تھیلی میں کچھ رقم ہے میں کسی دُکاندار سے ایک پنکھا خریدتا ہوں اور اُس سے کہتا ہوں کہ اِس کی قیمت وہ رقم ہے جو اِس تھیلی میں ہے۔ تو ظاہر ہے کہ یہ صورت ناجائز ہے کیونکہ دُکاندار کو معلوم نہیں کہ اِس میں کتنی رقم ہے لہٰذا اس کے اعتبار سے قیمت مجہول (غیر معلوم) ہے اور بیع کے صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ بیچی جانے والی چیز کی قیمت فریقین کو معلوم ہو، لیکن اگر میں کسی طالب علم سے یہ کہتا ہوں کہ اگر آپ امتحان میں اوّل آگئے تو جو رقم اِس تھیلی میں ہے وہ تمہیں اِنعام کے طور پر دُوں گا تو یہ صورت جائز ہے حالانکہ یہاں بھی جہالت

اور غیر یقینی کیفیت (Uncertainty) موجود ہے لیکن چونکہ یہ عقد تبرع ہے اِس لیے یہاں جہالت اور غیر یقینی کیفیت (Uncertainty) کا پایا جانا ممنوع نہیں۔ اس طرح جب ہم نے اِنشورنس کا ڈھانچہ بدل دیا تو یہاں پر بھی غیر یقینی کیفیت پائے جانے کے باوجود معاملہ ناجائز نہیں ہوگا۔'' (تکافل ص 121,122)

ہم کہتے ہیں :

صمدانی صاحب نے یہاں بھی وہی کام کیا ہے کہ معاملہ کے حصے بخرے کیے اور پھر ہر حصہ کی جائز ہونے کو مثال سے ذکر کر دیا۔ معاملہ کی جو مجموعی صورت ہے اِس پر نظر کرنے پر وہ آمادہ ہی نہیں ہیں حالانکہ یہاں اصل تو مجموعی صورت ہی ہے۔

دیکھیے صمدانی صاحب نے تبرع کی یہ مثال دی ہے کہ کسی شخص نے آپ کو سو روپے ہدیے کے طور پر دیے پھر کسی موقع پر آپ کی اُس سے ملاقات ہوئی تو آپ نے دو سو روپے ہدیے کے طور پر دیے تو یہ نہ صرف جائز بلکہ پسندیدہ ہوگا۔ اِس مثال سے صمدانی صاحب نے یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ تکافل میں بھی تبرع ہوتا ہے اِس لیے وہ جائز ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ صمدانی صاحب کی یہ مثال تکافل کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتی۔ اِس کی مثال تو یوں بنتی ہے کہ زید بکر سے کہے کہ اگر تم مجھے سو روپے ہدیہ کرو گے تو وسائل کے ہونے کی صورت میں کبھی تمہیں ضرورت پڑی تو میں تمہیں دس ہزار روپے دُوں گا۔ اِس کو کون محض عقد تبرع کہے گا اور عقد معاوضہ نہ سمجھے گا پھر جبکہ وقف فنڈ اور تکافل کمپنی قانونی حیثیت رکھتے ہیں اور اِن کے قواعد وضوابط اور اغراض و مقاصد کو قانونی حیثیت حاصل ہے تو یہ اور پختہ عقد معاوضہ بنے گا۔

عملی خرابیاں :

1- کمپنی خود ہی رب المال اور خود ہی مضارب بنتی ہے:

تکافل کمپنی لکھتی ہے :

The Company shall act as a Mudarib for the purpose of managing the investment of

Participant's contribution. As such, the Company stands entitled to a share in the investment income there of as Mudarib.

''شریک یعنی پالیسی ہولڈر کے چندے سے حاصل ہونے والے سرمایہ میں تکافل کمپنی مضارب کی حیثیت سے کام کرے گی اور اِس طرح سے حاصل ہونے والے نفع میں مضارب کی حیثیت سے حصہ دار ہوگی۔''

ہم کہتے ہیں :

کمپنی جو خود واقف بھی ہے اور متولی بھی ہے وہ خود مضارب نہیں بن سکتی کیونکہ مضاربت دو فریقوں کے درمیان ایسا عقد ہوتا ہے جس میں ایک کی جانب سے مال ہوتا ہے اور دُوسرے کی جانب سے عمل ہوتا ہے چونکہ کمپنی وقف فنڈ کی متولی ہے لہٰذا وہ رب المال ہے اور وہ مضارب نہیں بن سکتی۔

اگر یہ کہا جائے کہ کمپنی تو پالیسی ہولڈروں کے سرمایہ میں مضارب کے طور پر کام کرتی ہے لہٰذا رَب المال تو پالیسی ہولڈر ہوئے۔ تو یہ صحیح نہیں کیونکہ اُوپر یہ ذکر ہو چکا ہے کہ پالیسی ہولڈر جو چندہ دیتے ہیں وہ وقف کی ملکیت ہوتا ہے اور کمپنی اِس کی بھی متولی ہوتی ہے۔

علاوہ اَزیں کمپنی نے وقف فنڈ کے لیے جو سرمایہ فراہم کیا ہے اُس میں بھی تو کمپنی ہی مضاربت کے طور پر کام کرے گی تو کمپنی خود ہی رب المال اور خود ہی مضارب بنی جو صحیح نہیں۔

اِس کے جواب کے طور پر مولانا تقی عثمانی مدظلہ لکھتے ہیں :

والظاهر انه لا مانع من كونها متولية للوقف و مضاربة فى اموالها فى وقت واحد بشرط ان تكون المضاربة بعقد منفصل و بنسبة من الربح لا تزيد عن نسبة ربح المضارب فى السوق فان الفقهاء اجازوا لناظر الوقف ان يستاجر ارض الوقف باجرة المثل عند بعضهم و بما يزيد على اجرة المثل عند آخرين (الفتاوى الهندية ج 2 ص 421) فيمكن ان تقاس عليه المضاربة و ان لم أره فى كلام الفقهاء بصراحة.

''ظاہر یہ ہے کہ کمپنی ایک ہی وقت میں وقف فنڈ کی متولی بھی ہو اور اُس کے اموال میں مضارب بھی ہو اِس سے کوئی مانع نہیں ہے جبکہ ایک تو مضاربت کا عقد جدا ہوا ہو اور دُوسرے کمپنی کا نفع میں حصہ مارکیٹ ریٹ سے زیادہ نہ ہو کیونکہ فقہاء نے وقف کے ناظر کے لیے جائز بتایا ہے کہ وہ وقف کی زمین کو خود اُجرت مثل یا اُس سے زائد کے عوض کرایہ پر لے لے۔ اِس پر مضاربت کو قیاس کیا جاسکتا ہے اگرچہ اِس کی تصریح مجھے فقہاء کے کلام میں نہیں ملی۔''

ہم کہتے ہیں :

یہ بات غور طلب ہے کہ فقہاء نے ناظر کے لیے وقف زمین کو اُجرت پر لینے کے جواز کی تصریح کی اور ناظر کے مضارب بننے کے جواز کی تصریح نہیں کی۔ آخر اِن دونوں میں کچھ فرق ہوگا تب ہی تو فقہاء نے بظاہر فرق رکھا ہے۔

اور وہ فرق یہ ہے کہ وقف اراضی کوئی غصب کرلے تو اگرچہ وہ اُجرت پر دینے کے لیے نہ ہو تب بھی غاصب کو اِس کی اُجرت مثل دینی پڑے گی۔

اِسی طرح اگر ناظر یا متولی وقف کی اراضی کو خود اُجرت پر لے لے تو اگرچہ وہ معروف طریقے پر اجارہ نہیں ہے لیکن اُجرت مثل واجب ہونے سے اِس معاملہ کو مجازاً اجارہ کہہ دیا۔ مضاربت میں حقیقی یا مجازی کوئی بھی صورت نہیں بنتی اِس لیے مضاربت کو اجارہ پر قیاس کرنا ممکن نہیں ہے۔

مولانا تقی عثمانی مدظلہ بھی اِس قیاس پر پوری طرح مطمئن نہیں ہیں اِس لیے وہ ایک متبادل صورت بھی بتاتے ہیں اگرچہ تکافل کمپنی نے عملاً پہلی ہی صورت کو اختیار کیا ہے۔ مولانا مدظلہ متبادل صورت یہ لکھتے ہیں :

ولئن کان هناك شك فی جمع الشرکة بین تولیة الوقف و بین المضاربة فیمکن ان یکون احد مدیری الشرکة او احد موظفیه متولیا للوقف بصفته الشخصیة ویستاجر الشرکة لادارة الصندوق باجر و یدفع الیها الاموال للاستشمار علی اساس المضاربة.

''اگر کمپنی کے بیک وقت متولی وقف ہونے اور مضارب ہونے میں کچھ شک ہو تو جو

متبادل صورت ممکن ہے وہ یہ ہے کہ کمپنی کے ڈائریکٹروں یا منیجروں میں سے ایک اپنی ذاتی شخصیت کے اعتبار سے وقف کا متولی ہو جائے اور وہ وقف فنڈ کے انتظام کے لیے کمپنی کو اُجرت پر لے لے اور وقف کے اموال بھی مضاربت کی بنیاد پر کمپنی کے حوالے کر دے۔''

ہم کہتے ہیں :

یہ تو پہلے سے بدتر صورت ہے اور آسمان سے گرا کھجور میں اَٹکا کا مصداق ہے کیونکہ :

مولانا مدظلہ لکھ چکے ہیں کہ **تنشئی شرکة التامین الاسلامی صندوقا للوقف و تعزل جزأ معلوما من رأس مالها یکون وقفا** (اسلامی اِنشورنس کمپنی اپنے سرمایہ کے ایک حصہ سے وقف فنڈ قائم کرتی ہے) جس کا مطلب ہے کہ پہلے کمپنی قائم ہوتی ہے اور وہ اپنے سرمایہ سے وقف فنڈ کو قائم کرتی ہے پھر مولانا مدظلہ کے بقول کمپنی ایک قانونی شخص ہے جس میں ڈائریکٹران کی ذاتی شخصیت گم ہو جاتی ہے اور تمام حقوق و ذمہ داریوں کی نسبت کمپنی کے قانونی شخص کی طرف کی جاتی ہے۔ لہٰذا کوئی ڈائریکٹر کمپنی کا جو بھی کام کریگا اُس کو درحقیقت کمپنی ہی کا کرنا کہیں گے۔ اِس کا حاصل یہ نکلا کہ کمپنی وقف فنڈ قائم کر کے واقف بن گئی۔

اَب مولانا کہتے ہیں کہ ایک ڈائریکٹر اپنی ذاتی شخصیت کے اعتبار سے وقف فنڈ کا متولی بن جائے۔ لیکن جواب میں ہم کہتے ہیں کہ جب کمپنی کے کام کے اعتبار سے ڈائریکٹر کی ذاتی شخصیت کمپنی میں گم ہے اور اُس کا کرنا کمپنی کا کرنا ہے تو اِس کا حاصل یہ ہوا کہ واقف بننے کے بعد کمپنی اپنے آپ کو ایک نئے معاملہ کے ساتھ متولی بناتی ہے۔ پھر مولانا مدظلہ کی اِس تجویز کے مطابق کمپنی ہی خود سے انتظام کے لیے اُجرت پر معاملہ بھی کرتی ہے اور سرمایہ کاری کے لیے مضاربت کا معاملہ بھی کرتی ہے۔ غرض مولانا مدظلہ کی باتوں سے وہی الزام ثابت ہوا جو ہم نے اُن پر عائد کیا تھا کہ مولانا نے کمپنی کو رب المال اور مضارب دونوں ہی بنا دیا جو جائز نہیں۔

2- وقف یا اُس کی ملکیت کو ختم کرنا :

تکافل کمپنی کہتی ہے :

This Policy may at any time be terminated at the option of the Company on 14 days' notice to that

effect being given to the Participant............ In that case, the Participant shall be given an amount equivalent to a rateable proportion of the contribution for the unexpired Period of policy from the date of such cancellation. This policy may aslo be terminated at any time at the request of the Participant, in which case the Participant will be paid an amount equivalent to the actual contribution made initially by him / her, less the amount worked as per the following scale.

''یہ تکافل پالیسی کمپنی کے اختیار پر کسی بھی وقت 14 دن کے نوٹس پر ختم کی جاسکتی ہے...... اِس صورت میں پالیسی ہولڈر کو بقیہ مدت کی نسبت سے چندے کی جتنی رقم بنتی ہے واپس کی جائے گی۔ پالیسی ہولڈر کی درخواست پر بھی یہ پالیسی ختم کی جاسکتی ہے اور اِس صورت میں دیے گئے سکیل کے مطابق جتنی رقم بنتی ہے وہ منفی کر کے اس کے چندے کی باقی رقم واپس کی جائے گی۔''

ہم کہتے ہیں :

چندے کی رقم وقف کی ملکیت ہے اور شریعت کی رُو سے اُس کی مالک کو واپسی جائز نہیں نہ کُل کی نہ جزو کی۔ اِس رقم کو وقف رقم کے نفع کی طرح صرف وقف کے مصالح و مقاصد میں خرچ کیا جاسکتا ہے۔ ایسی کوئی صورت متصور نہیں ہے کہ متولی وقف کی ملکیت مالک کو واپس کر دے یا چندہ دہندہ اِس کو واپس لے لے۔

اَلوَداعی خطاب

جامعہ مدنیہ جدید میں ۱۹؍شعبان المعظم کو شیخ الحدیث حضرت مولانا سیّد محمود میاں صاحب نے دورۂ صرف ونحو کے تقریباً ۶۰۰ طلباء سے الوداعی خطاب کیا، اس کی افادیت کے پیشِ نظر اِسے شائع کیا جارہا ہے، قارئین کرام یہ خطاب ملاحظہ فرمائیں۔ (ادارہ)

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلٰوۃ والسلام علٰی خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد و آلہ واصحابہ اجمعین امابعد !

باری تعالیٰ کا اِرشاد ہے وَاتَّبِعُوْا مِلَّتَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اِنسانوں کو ایسے راستے پر چلنے کا حکم دیا ہے جو بالکل اِعتدال والا ہو اُس میں کسی قسم کی کجی نہ ہو اور اُس پر چلنے کے نتیجہ میں اِنسان دُنیاوی سعادتوں سے بھی مالا مال ہو جائے اور آخرت کی کامیابیاں بھی اُس کو نصیب ہو جائیں۔ اِس لیے باری تعالیٰ نے فرمایا کہ ''دینِ حنیف'' ایسا دین جو اِعتدال والا ہو جس میں کجی نہ ہو اُس کو اِختیار کرو۔ اور وہ کونسا ہے؟ وہ وہ راستہ ہے جو حضرت ابراہیم علٰی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتلایا اور پھر اُس پر اُس کے بعد آنے والے نبی قائم رہے حتی کہ نبیوں کا یہ سلسلہ رسول اللہ ﷺ پر آکر ختم ہوا اور آپ نے اِسی راستے کو اختیار فرمایا اور آخری نصیحت فرمائی جس کے بعد کوئی اور راستہ اَب رُشد و ہدایت کا بند ہو گیا۔

ایک واقعہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کا یہ حضرت سعید رضی اللہ عنہ جو عشرہ مبشرہ میں ہیں اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بہنوئی بھی ہیں بہت برگزیدہ صحابی ہیں اِن کے والد ہیں، اِن کے بارے میں مختلف اَقوال ہیں کہ کیا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دستِ اَقدس پر ایمان لے آئے تھے یا نہیں لائے تھے لیکن یہ بات حتمی ہے کہ یہ دینِ حنیف پر تھے مشرکوں میں رہتے تھے مکہ مکرمہ کے رہنے والوں میں تھے قبیلے کے اِعتبار سے ہر اِعتبار سے۔ لیکن یہ فرماتے تھے کہ تم میں سے کوئی بھی صحیح دین پر نہیں ہے سوائے میرے یہ اعلان کرتے تھے اور حق کی تلاش میں رہتے تھے کہ جو صحیح دین ہے جس کو اللہ کے یہاں قبولیت حاصل ہے جس پر چلنے کی بدولت اِنسان کامیابی حاصل کرلے وہ کون سا ہے؟ مطلب یہ ہے کہ اِس کی تفصیل کہ وہ کیا

ہے اِجمال تو تھا کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اُس کے ساتھ کوئی شریک نہیں، لہٰذا کسی کو شریک نہیں مانتے تھے حالانکہ اُنہیں براہِ راست نبی علیہ السلام کی کوئی تعلیم ابھی نہیں پہنچی تھی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کوئی رہنمائی ابھی اُنہیں حاصل نہیں ہوئی تھی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ رہتے تھے آپ کے دوستوں میں تھے لیکن کیا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے پہلے وفات ہوگئی یا بعثت کے بعد ہوئی اِس میں مختلف اَقوال ہیں بعض کہتے ہیں بعثت کے بعد ہوئی آپ نبی بنا دیے گئے تھے اور آپ کے دین پر ایمان بھی لے آئے تھے۔ بعض کہتے ہیں بعثت سے پہلے ہی ہوگئی تھی لیکن جو بھی شکل تھی بہر حال اُن کی وفات ایمان پر ہوئی کیونکہ اگر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت نہیں ہوئی تھی تو پھر وہ پہلے نبیوں کا جو دین تھا اُس کے مکلّف ہیں اُس پر وہ قائم تھے اُن کی وفات اُس پر ہوئی اور اگر بعثت کے بعد ہوگئی اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان بھی لے آئے تو پھر تو بالکل واضح بات ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اُنہیں عقلِ سلیم دے رکھی تھی سمجھدار بہت تھے حق کی تلاش میں کبھی عیسائیوں کے جو راہب تھے اُن کے پاس جاتے تھے اور کبھی وہ یہودیوں کے جو راہب تھے اُن کے پاس جاتے تھے اور جا کر یہ کہتے تھے کہ دینِ حنیف جو ہے وہ بتاؤ مجھے؟ یعنی نجات کا راستہ مجھے بتاؤ اِعتدال کا راستہ مجھے بتاؤ تو وہ کہتے تھے تم ہمارے مذہب میں داخل ہو جاؤ عیسائی بن جاؤ تو تم نجات پا جاؤ گے بس کچھ اللہ کا تمہیں غضب نصیب ہوگا کچھ حصہ غضب کا ملے گا تو وہ کہتے تھے کہ لَا اَفِرُّ اِلَّا مِنْ غَضَبِ اللّٰہِ اللہ کے غضب سے بچنے ہی کے لیے تو بھاگ رہا ہوں کہ اُس کے غضب سے بچ جاؤں اور تم کہتے ہو کہ اِس دین میں آجاؤ اور کچھ غضب ملے گا اللہ کا۔ اِس کا مطلب ہے صحیح نہیں ہے۔ اللہ کے دین میں جب اِنسان آگیا تو پھر غضب کا کیا مطلب ہوا؟ پھر تو غضب ہونا نہیں چاہیے نہ زیادہ نہ تھوڑا۔ پھر وہ وہاں سے نکلے اور دُعا کرتے رہے کہ یا اللہ مجھے ملتِ حنیف جو ہے ملتِ حنفیہ اِس پر قائم فرما اِس پر میری رہنمائی فرما۔ تو وہ پھر چلے گئے یہودیوں کے راہب کے پاس اور وہاں اُس سے کہا مجھے حق کی تلاش ہے میری رہنمائی فرمائیں تو اُنہوں نے کہا کہ ہمارے دین میں داخل ہو جاؤ اُس سے بھی اُنہوں نے کہا عیسائی سے بھی کہ غضب سے تو میں بچنا چاہتا ہوں اور مجھے پھر کوئی اور صورت بتاؤ تو اُس نے کہا عیسائی نے پھر تم جو ملتِ حنیف ہے اُسے بھول جاؤ۔

تو میں سن کر باہر آگیا کہنے لگے اے اللہ مجھے ملتِ حنیف عطا فرما لیکن تفصیل نہیں معلوم بتا نہیں رہا تھا کوئی بتانے والا۔ پھر نکلے باہر ہاتھ اُٹھایا آسمان کی طرف اللہ سے کہا اے اللہ جو بھی ملتِ حنیف کا مطلب ہے

حنفیت کا اے اللہ میں بس اُس کا ہوں جو بھی مراد ہے تو بہتر جانتا ہے میں اُس کا ہوں یہ اعلان کیا اور اِن تمام دینوں سے بیزاری کا اعلان کیا۔

تو معلوم ہوا کہ یہودی اور عیسائی علماء جو اُس وقت کے تھے آج سے چودہ سو پندرہ سو سال پہلے اُس وقت کے پوپ اور پادری آج کے پوپ اور پادریوں سے زیادہ علم رکھتے تھے کیونکہ اُن کا دور اپنے نبیوں کے دور کے قریب تھا، عیسائیوں کا عیسیٰ علیہ السلام کے دَور سے قریب تھا اور یہودیوں کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور سے قریب دَور تھا تو اُس دور کا جو عیسائی پادری ہے یا یہودیوں کا جو پیشوا ہے وہ بالکل صحیح دین جو جنت میں لے جائے اور جہنم سے بچالے اِس کے بتانے میں عاجز ہے وہ نہیں بتا سکتا اور اِس کے بعد حضرت محمد رسول اللہ ﷺ دُنیا میں تشریف لائے اور اُنہوں اُس دین کی تشریح فرمائی اُس کی تفصیلات بتائیں اور اُمت کو رہنمائی نصیب ہوگئی۔

تو یہ جو دین ہے جسے ہم نبی علیہ الصلوٰۃ السلام کا دین کہتے ہیں۔ کتاب وسنت سے جس کی تفصیلات نکلی ہیں۔ یہ دین آخری دین ہے جیسے میں نے پہلے بھی آپ کو عرض کیا تھا کہ اِس کے آخری دین ہونے کی تاریخ شہادت دیتی ہے حدیث تو دے رہی ہے شہادت قرآن بھی دے رہا ہے شہادت لیکن تاریخ جو کہ حدیث اور قرآن کے مقابلے میں ایک ضعیف اور کمزور حجت ہے وہ بھی اِس بات کی تائید کر رہی ہے کہ یہ جو دین ہے یہ آخری دین ہے اور باقی دین فرسودہ ہیں اور اُن کی تفصیلات موجود نہیں ہیں۔

میں نے آپ کو بتایا تھا شاید پہلے بھی کہ یہ جو ہے وزیر بھی رہے ہیں ضیاء الحق کے زمانے میں بھی اور مشرف کے زمانے میں بھی رہے ہیں ڈاکٹر محمود غازی صاحب بہت سمجھدار آدمی ہیں، ہیں تو بہت ذہین اِنسان، اُنہوں نے اپنا ایک واقعہ سنایا وہ کہنے لگے میں رُوم گیا اور رُوم میں پوپ سے بھی ملاقات کی۔ رُوم میں جو پوپ رہتا ہے وہ ساری دُنیا کی عیسائیوں کا سب سے بڑا مذہبی پیشوا ہے باقی جو مذہبی پیشوا ہیں وہ اُس کے ماتحت ہوتے ہیں، برطانیہ کا جو ہوگا سب سے بڑا وہ اُس کے ماتحت ہوتا ہے عالمی طور پر سب سے بڑا وہی ہے۔ اُس وقت بھی اُن کا مرکز نبی علیہ السلام کے زمانے میں رُوم تھا اور آج بھی اُن کا مذہبی مرکز دینی مرکز رُوم ہی ہے، سیاسی اور دُوسرے اعتبار سے تو مرکز اُن کے بہت ہیں وہ تو امریکا ہے اور برطانیہ ہے لیکن جو مذہبی مرکز ہے وہ اُس وقت سے آج تک ایک ہے اُس میں تبدیلی نہیں کی۔

میں نے اُس سے کہا کہ مجھے ایک حدیث سنا دیں حضرت عیسیٰ علیہ الصلٰوۃ والسلام کی سند کے ساتھ، صرف ایک حدیث سند کے ساتھ بس۔ وہ کہنے لگے وہ سر نیچے کر کے بیٹھ گیا آنکھیں بند کرلیں تھوڑی دیر بعد اُس نے سر اُٹھایا اور کہنے لگا کہ آپ اپنا سوال دوبارہ دوہرائیں۔ کہتے ہیں کہ میں نے یہی بات پھر دوہرائی ایک حدیث حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سنا دیں مجھے سند کے ساتھ، وہ پھر سر نیچے کر کے بیٹھ گیا ٹیچی ٹیچی [1] کا اِنتظار کر رہا ہوگا اللہ جانے کیا کر رہا ہوگا سر نیچے کر کے۔ اَب اُس نے دُوسری دفعہ پھر سر اُٹھایا کہنے لگا کہ آپ اپنا سوال دوہرائیں میں نے پھر دوہرا دیا آسان سی بات ہے کہ ایک حدیث سنا دو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سند کے ساتھ۔ تیسری دفعہ اُس نے کہا میں آپ کو ایک بھی ایسی حدیث نہیں سنا سکتا جو عیسیٰ علیہ السلام سے ثابت ہو۔ تو پوپ عالم ہے مگر جس دین کا وہ دعوٰی کرتے ہیں اُس دین کی سند نہیں ہے سند کا مطلب ہے تکیہ، بنیاد، ٹیک جس پر اُس کا سہارا ہو جس پر اُس چیز کا مدار ہوتا ہے گویا اُس نے یہ کہا کہ ہماری عیسائیت بے بنیاد ہے اور میں اِس بات کا اِعتراف کرتا ہوں ہماری عیسائیت بے بنیاد ہے ہمارے پاس اِس مذہب ِعیسائی کی کوئی بنیاد موجود نہیں ہے کیونکہ سند ہی بنیاد ہوتی ہے کسی چیز کی، اگر سند ختم ہو جائے تو ہمارا دین بھی بے بنیاد ہو جاتا ختم ہو جاتا آج ہمیں پتا ہی نہیں ہوتا کہ کیا صحیح ہے کیا صحیح نہیں ہے۔ تو ہر چیز سند سے آج تک محفوظ ہے الحمد للہ، حدیث کی ہر کتاب میں سند موجود ہے پھر اُس سند کی قوت بھی موجود ہے محدثین نے محنت کر کے بتا دیا کہ یہ سند اِتنی قوی ہے اور یہ اِتنی قوی ہے مضبوطی بھی بتا دی ساری باتیں بتا دیں۔

تو جب عیسائیوں کا یہ حال ہے جن کا دین طویل ہے اور یہودیوں کی نسبت بعد والا ہے تو پھر یہودیوں کے دین کی بنیاد تو بالکل ہی ختم ہوگئی جب عیسائیوں کی نہیں ہے وہ تو بہت پرانا ہے بہت پہلے کا ہے، تو عیسائی مذہب جو ہے دُنیا میں اور یہودی مذہب جو ہے دُنیا میں یہ فرسودہ مذہب اور فرسودہ دین ہیں یہ ہٹ دھرم ہے آپ کو تو کہتے ہیں ''بنیاد پرست'' ہم لوگوں کو مسلمانوں کو۔ یہ غلط ہے آپ کہیں کہ ہم بنیاد پرست نہیں ہیں ہم جدّت پسند ہیں کیونکہ سب سے آخری اور جدید دین یہ ہے جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا ہے، اِس کے بعد کوئی دین نہیں آیا یہودیت بھی اِس سے پہلے کی ہے اور عیسائیت بھی اِس سے پہلے کی ہے۔

چنانچہ نبی علیہ الصلٰوۃ والسلام کے دین کے آنے کے بعد اگر کوئی اُن دینوں پر باقی رہتا ہے تو وہ

[1] بقول مرزا قادیانی ملعون ''ٹیچی ٹیچی'' اُس کے فرشتے کا نام تھا۔

ہٹ دھرمی ہے وہ بنیاد پرست ہے وہ قدامت پسند ہے وہ دَقیانوس ہے اِسلام پر چلنے والا ڈٹنے والا دقیانوس نہیں ہے جدّت پسند ہے۔ اِس لیے کہ اگر کوئی اور مذہب اِس کے بعد آتا آسمانی تو پھر اُسے اِختیار کرنا پڑتا وہ تو آیا نہیں اور جب تک کوئی بعد میں چیز نہ آئے تو پہلی چیز منسوخ کینسل نہیں ہوتی۔ آپ دیکھیں ایک فیشن آتا ہے کرتے کا فیشن آتا ہے شلوار کا فیشن آتا ہے کہ اَب یہ اِس قسم کی ہوگی عورتوں میں اور مردوں میں آتے رہتے ہیں مختلف۔ اَب جب فیشن آیا تو آپ کہتے ہیں یہ نیا فیشن ہے اور ایک فیشن جو اُس سے پہلے کا ہوا اُسے کہتے ہیں کہ یہ پرانا فیشن ہے اُسے پرانا کیوں کہتے ہیں؟ اِس نئے کی وجہ سے پرانا کہتے ہیں جب یہ آگیا اِسے اِختیار کرلیا تو یہ نیا بن گیا اور وہ پرانا بن گیا ہے۔ اَب اِس نئے فیشن کے بعد اگر ماہرین نے دُوسرا فیشن متعارف نہ کرایا ریڈیو پر، ٹی وی میں اَخبار میں اِشتہارات میں یہی فیشن چلتا رہا پانچ سال دس سال بیس سال تیس سال تو یہ نیا ہی کہلائے گا کیونکہ دُوسرا فیشن اِس کے بعد آیا ہی نہیں جو اِسے منسوخ کرتا۔

اَب اگر یہ فیشن جو آخری چل رہا ہے یہ پچاس سال کا ہوجائے، یہ سو سال کا ہوجائے، یہ تین سو سال کا ہوجائے، یہ چار سو سال کا ہوجائے اور جو اِس کے ماہرین ہیں لباس کے اُنہوں نے اِس کے بعد کوئی فیشن نہ بھیجا ہو تو یہ جدید ہی کہلائے گا کیونکہ اِس کے بعد ابھی تک کوئی فیشن نہیں آیا۔ تو ہم عام فیشنوں میں یہ کر رہے ہیں پھر جس دن کوئی دُوسری ذرا سی بھی کٹنگ بدل دی اُنہوں نے اِدھر کے کنارے کی اُدھر کے کنارے کی اَب وہ رواج میں اور وہ اِختیار میں آگئی تو اَب وہ نیا فیشن ہو جائے گا اور وہ پہلا پرانا فیشن ہو جائے گا۔ لہٰذا اِس دین کو یا مسلمانوں کو قدامت پسند ثابت کرنے کے لیے اُنہیں یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ اِس دین کے بعد پھر کوئی اور آسمانی دین ہے۔ اور یہ کوئی ماں کا لال ثابت نہیں کرسکتا، نہ آج تک کیا ہے نہ قیامت تک کرسکے گا اِنشاء اللہ۔ ایک قادیانی پیدا کرلیا کروڑوں قادیانی بھی پیدا کرلیں آخری دین میں تبدیلی نہیں آسکتی۔ یہ اُسی طرح تر و تازہ باقی رہے گا یہ جدید تھا جدید ہے اور جدید رہے گا۔

لہٰذا آپ جدّت پسند ہیں آپ عالی ظرف ہیں آپ دقیانوس نہیں ہیں، عیسائی دقیانوس ہیں یہودی دقیانوس ہیں وہ قدامت پسند ہیں وہ بیک ورڈ ہیں اُردو کی اِصطلاحات ہوں انگریزی کی اِصطلاحات ہوں سب اُن پر صادق آتی ہیں۔ بیک ورڈ آپ نہیں ہیں وہ بیک ورڈ ہیں یہ قدامت پسند ہیں آپ جدت پسند ہیں آخری دین اور آخری مذہب پر آپ ہیں۔

یہ جب لال مسجد کا واقعہ ہوا تھا اور اِن ظالموں نے وہاں خونریزی کی اور دینی طلباء اور طالبات کا خون بہایا تو دُوسرا تیسرا دِن ہوگا مجھے اَب یاد نہیں ہے میں کسی کے گھر گیا ہوا تھا اپنے عزیزوں کے یا جاننے والوں کے تو اُن کے یہاں ٹی وی چل رہا تھا اور اُس کے مناظر دکھائے جارہے تھے کیونکہ دو تین دِن ہی ہوئے تھے تو بچیوں کا اِنٹریو دکھایا گیا تھا بچیوں کا نام بھی تھا اُس وقت کچھ پتا نہیں کیا نام بتایا تھا جو اپنی آنکھوں دیکھا حال سنا رہی تھیں فاطمہ نام تھا آمنہ یا ایسے کوئی دو تین نام تھے۔ اور اُس میں یہ تھا ریٹا ئیر جنرل جاوید اشرف قاضی ، یہ بہت بڑا بددین ہے بہت بڑا بددین ۔ اللہ جانتا ہے کہ مسلمان بھی ہے یا نہیں یہ اللہ کو پتا ہے ہم دعوٰی نہیں کر سکتے کہ یہ کافر ہے یہ فتویٰ نہیں دے سکتے ۔ باقی یہ کہ اِنتہائی بددین انسان ہے [1] یعنی کافروں والے کام اِس سے کروالیں ۔ تو یہ بھی بیٹھا ہوا تھا بچیاں برس رہی تھیں ظاہر ہے اُنہوں نے اپنے ہاتھوں سے لاشیں اُٹھائی تھیں گنتی کی تھی اور پھر وہ موت کے منہ سے نکل کر آئیں تھیں اُن کے جذبات جو تھے وہ تو ہر ایک سمجھ سکتا ہے ۔

تو اُس کے بعد جب اُنہوں نے اپنی گفتگو کی تو یہ موجود تھا اور اِس کے ساتھ ایک اور عورت بھی موجود تھی مجھے اُس کا نام یاد نہیں وہ بے پردتھی تو یہ دو تھے اور (ان کے مدمقابل وہ) دو بچیاں تھیں ، جیسے وہ دونوں رائے رکھنے والوں کا انٹرویو کرتے ہیں جیو والے اِس گروپ سے بلا لیے اور اُس گروپ سے بلا لیے تو وہ بلا رکھے تھے تو جب وہ بچیوں کا (بیان) ختم ہوا تو اِس سے نمائندے نے اِس کی طرف مائیک کر دیا جاوید اشرف قاضی کے طرف تو اُس نے جو لغو باتیں کیں ، نہیں ایسی بات نہیں ایسی بات نہیں لیکن ایک لفظ اُس نے اِنتہائی زہریلا جس میں اُس نے پورے دین مذہب کا مذاق اُڑایا ، ایک لفظ ہے مجھے اَب اُس کے پورے الفاظ یاد نہیں زوم زونگ کا لفظ ہے انگریزی کا ایسا کچھ لفظ ہے [2] جس کا مطلب ہوتا ہے اپنی کوئی سوچ نہ رکھنے والا جیسے دولے شاہ کا چوہا ہوتا ہے معذور ، اَندرونی طور بھی پر معذور ہو اور ظاہری طور پر بھی معذور ہو کہ اپنا پتا ہی نہ ہو کوئی سوچ ہی نہیں اَب آپ ہاتھ پکڑ کر اُس کو لے جائیں تو آپ کے ساتھ بھی چل دے گا ، چلتا ہے نا وہ معذور آدمی ؟ اور اگر یہ پکڑ کر لے جائیں تو وہ اِس کے ساتھ بھی چل پڑے گا ۔ تو کالا آدمی لے کر چل پڑے تو بھی چل پڑے گا سفید آدمی لے کر چل پڑے تو بھی چل پڑے گا اِدھر لے جاؤ اُدھر لے جاؤ جدھر بھی لے جاؤ وہ چل پڑتا ہے ۔

---

[1] کسی موقع پر سوال کے جواب میں موصوف نے قرآن پاک کے چالیس پارے بتلائے تھے [2] ZOMBI صحیح لفظ ہے ۔

اُس نے کہا کہ یہ لوگ جو مدرسہ میں پڑھنے والے ہیں یہ ''زونگ'' ہوتے ہیں العیاذ باللہ۔ وہ بچیاں مطلب نہیں سمجھیں اِس کا، ورنہ تو اگر مطلب سمجھتیں تو میں سمجھتا ہوں کہ اُسی وقت اُٹھ کر اُس کو جوتے مارتیں اور ٹائی کھینچ کر اُس کو اِسی حال میں چکر لگواتیں۔ اُس نے وہ بات کی جو کافر بھی جرأت نہیں کر سکتے کہنے کی۔ اُس نے مسلمان ملک میں مسلمانوں کے ٹیلیویژن پر آکر یہ کہا۔ مجھے بھی اِس کا مطلب پتہ نہیں تھا اُنہوں نے بتایا جو میرے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ اِس کا مطلب یہ ہے کہ دینی مدرسوں والے ایسے لوگ ہیں العیاذ باللہ۔ اِس نے دین کا مذاق اُڑایا کہ یہ لوگ ہیں یہ شیر پاؤ ہے اور یہ سارے لوگ آپ کو معلوم ہے کس طرح ملوث تھے ان کاموں میں، سب کام انہوں نے امریکہ اور برطانیہ کے اِشارے پر کیے اُن کے دل میں خدا کا خوف نہیں ہے تو اصل دقیانوس یہ ہیں آپ نہیں ہیں یہ بچیاں نہیں ہیں یہ بچے نہیں ہیں ہمارے الحمد للہ۔ اصل بددین اور دقیانوس یہ طبقہ ہے۔

آپ کی نظر اِن کی باتوں پر نہیں جانی چاہیے اِن کی چیزوں سے آپ ہرگز دِل گرفتہ نہ ہوں دِل برداشتہ نہ ہوں مرغوب نہ ہوں اِحساس کمتری میں نہ پڑیں۔ سر اُٹھا کر چلیں دل میں عاجزی ہو، سر اُٹھائیں اور دل میں عاجزی ہو دل میں بڑائی نہ ہو فخر نہ ہو۔ دل میں بڑائی اور فخر آگیا تو اُسی دن رُسوا ہو جائیں گے جیسے کہ نبی علیہ السلام اور صحابہؓ آپ کو حکم دیا اللہ تعالیٰ نے کہ طواف کرو اور رَمل کرو چکر لگاؤ پہلوانوں کی طرح۔ جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام حج کے لیے تشریف لائے پہلا عمرہ کیا عمرۂ قضا کرنے کے لیے تشریف لائے تو اُس وقت کفار کا قبضہ تھا مکہ مکرمہ پر تو جب آپ ﷺ تشریف لائے تو بہت عاجزی و اِنکساری کا مقام ہے بیت اللہ کے پاس حاضر ہونا اُس کا حق اَدا کرتے ہوئے طواف کر رہے ہیں عاجزی کے ساتھ۔ تو مشرکین نے مذاق اُڑایا نبی علیہ السلام کا اور آپ کی جماعت کا کہ اِنہیں حمّٰی یثرب (یعنی مدینہ منورہ کے بخار) نے لاغر کر دیا اِن میں کچھ بھی نہیں رہا دیکھو کیسے چل رہے ہیں تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ کے طرف سے حکم ہوا اور آپ کو اُن کے یہ جملے پہنچائے گئے بہرحال آپ نے خود سے کیا ہو یا اللہ کے طرف سے حکم آیا ہو بات ایک ہی ہے کہ اَکڑ کے چلو چنانچہ رَمل شروع کیا۔ ''بیت اللہ'' اللہ کا گھر ہے وہاں اَکڑ کا موقع ہے؟ ظاہرًا اَکڑ ہے دل میں نہیں اِن کفار کو جلانے کے لیے اکڑنا ہے دل میں نہیں اَکڑنا، دل میں تو ڈر کا مقام ہے پتہ نہیں کہ یہ ہمارا حج قبول بھی ہو رہا ہے یا نہیں ہو رہا پتہ نہیں یہ طواف قبول بھی ہو رہا ہے یا نہیں ہو رہا تو یہ سنت قائم ہوگئی۔

لہٰذا اَکڑ کر آپ بھی چلتے ہیں لیکن دل میں ڈرتے رہتے ہیں کہ پتہ نہیں ہمارا حج قبول بھی ہو رہا ہے یا نہیں ہو رہا۔ اِس لیے جہاں ایسا موقع آئے وہاں اِحساس کمتری میں نہیں رہنا لیکن دِل میں یہ رکھنا ہے کہ پتہ نہیں ہمارا ایمان بھی قبول ہے یا نہیں اور ہماری خدمات بھی قبول ہیں یا نہیں ، پتہ نہیں ہماری حیثیت اللہ کے یہاں کیا ہے؟ جیسے صحابہؓ ہر وقت ڈرتے رہتے تھے۔ آپ نے تواضع سے اِخلاص کے ساتھ کام کرنا ہے بس، کامیابی نصیب ہوتی ہے آپ کو یا نہیں نصیب ہوتی آپ نے ہر حال میں کام کرنا ہے۔ آپ نے کامیابی نہیں دیکھنی آپ نے تو ثواب اور اَجر کی نیت سے کرنا ہے کہ ہمیں اللہ اِس میں کامیاب کر دے، اَب آپ کامیاب ہو جائیں تو بھی آپ کامیاب اور ناکام ہو جائیں تو بھی آپ کامیاب ہو جائیں گے اِنشاء اللہ کیونکہ اَجر اللہ کی ذات کے پاس ہے اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ یہ ہر نبی کا دعویٰ بھی تھا نعرہ بھی تھا۔ اللہ اجر دے گا وہ یہاں بھی دے سکتا ہے اور وہاں بھی دے سکتا ہے اور دونوں جہانوں میں بھی دے سکتا ہے کب اور کہاں دینا ہے یہ فیصلہ اُس کے ہاتھ میں ہے۔ آپ کی خدمات کا پھل اللہ آپ کو دُنیا میں دے ہی نہ، وہ بے نیاز ہے، بعض دفعہ سوائے تکلیفوں مصیبتوں کے حاصل ہی کچھ نہیں ہوتا اِسی حال میں مر جائیں اِس میں بھی اُس کی حکمت ہے لیکن اللہ کے یہاں بڑا درجہ ہے اس کا۔

بخاری شریف میں ایک واقعہ آتا ہے کہ بنی اسرائیل کی کوئی عورت تھی اپنے بچے کو دُودھ پلا رہی تھی بچہ دُودھ پی رہا ہے فَمَرَّبِھَا رَجُلٌ رَاکِبٌ ذُوْشَارَۃٍ تو اُس کے پاس سے ایک آدمی گزرا گھوڑ سوار بڑی شان وشوکت والا تھا جیسے شہزادہ ہوگا بادشاہ ہوگا راجہ ہوگا جو بھی ہوگا بہر حال بڑی اچھی ہیبت اور بڑے دبدبے کے ساتھ گزر رہا تھا، ماں نے کہا اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ اِبْنِیْ مِثْلَہٗ اَوْ کَمَا قَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ یا یہ کہے کلمات دُوسری حدیث میں کہ اے اللہ میرے بیٹے کو موت نہ دیجیے اِس جیسا ہونے سے پہلے۔ ہر ماں کی خواہش ہوتی ہے کہ میرے بچے کا اچھا مستقبل ہو ہر ایک چاہتا ہے کہ میرا بچہ خوشحال ہو اور اچھے حال میں رہے (اُس نے دُعاء کی) اے اللہ میرا بچہ اِس جیسا ہو جائے۔ بچے نے پستان سے منہ ہٹایا گھوڑ سوار کی طرف دیکھا اور کہنے لگا اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْنِیْ مِثْلَہٗ اے اللہ مجھے اِس جیسا نہ کیجئے پھر ماں کا پستان پکڑا اور دُودھ پینے لگا، حدیث میں آتا ہے راوی کہتے ہیں کہ میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف گویا اِس وقت دیکھ رہا ہوں کہ آپ ایسے اُنگلی چوس رہے ہیں گویا کہ وہ ایسے دُودھ چوسنے لگا ایسے کر کے بتایا، یہ مسلسلات ہیں اَب انگلیاں اپنے

دو ہونٹوں میں دے کر چودہ سو سال بعد بھی اِس تسلسل کے ساتھ نقل کیا گیا۔ اور کہاں وہ پادری ایک حدیث بھی سند کے ساتھ نہیں بتا سکا کہاں نبی علیہ السلام کی ایک چھوٹی سی ادا بھی محفوظ ہے آج تک اور آئندہ بھی محفوظ رہے گی اِنشاء اللہ۔

اور اِس دین کا کوئی بھی دین مقابلہ نہیں کر سکتا اِنشاء اللہ۔ اتنے میں ایک عورت گزری لوگ بھی اُس کے ساتھ جا رہے تھے کوئی اُسے کہتا تھا زانیہ ہے چور ہے چلتی ہے بدکار ہے مار رہے تھے برا حال کر رہے تھے اُس نے دیکھا اور جب اُسے کوئی کہتا زَنَیْتِیْ تو نے زنا کیا ہے تو وہ کہتی حَسْبِیَ اللّٰہُ جب کوئی کہتا تو چور ہے وہ کہتی حَسْبِیَ اللّٰہُ اُس نے اپنے کو اللہ کے سپرد کیا ہوا تھا کوئی جواب ہی نہیں دے رہی تھی بے بس تھی لاچار تھی ذلیل اور حقیر دُنیاوی نقطہ نظر سے بھیڑ میں جا رہی ہے تماشا بنی ہوئی ہے اُس کی عزت پامال ہو رہی ہے۔ اِس سے بڑی بدنصیبی اور کیا ہوسکتی ہے مرد ہوتا ہے تو پامال ہوتی ہے عورت ہو تو اِس سے زیادہ اُس خاندان اُس قبیلے کی کیا رسوائی ہے کہ جس کی عورت کے ساتھ یہ ہو رہا ہے کچھ لوگ مار رہے ہیں لے جا رہے ہیں اور گالیاں دے رہے ہیں اور اُس کا ایک حمایتی بھی موجود نہیں ہے اُن میں، سوائے اللہ کے حمایتی کے کوئی نہیں ہے بس وہ یہ کہتی ہے حَسْبِیَ اللّٰہُ بچے کی ماں نے جب یہ منظر دیکھا تو اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْ اِبْنِیْ مِثْلَ ھٰذِہٖ اے اللہ میرے بچے کو ایسا نہ کیجیے کہ میرا بچہ کبھی اِس طرح ہو ہر ماں یہی کہے گی۔ بچے نے پھر پستان چھوڑا پھر اُدھر نظر ڈالی کہنے لگا اے اللہ مجھے اِسی جیسا کیجیے، اَب یہ ماں کی تمنائیں ہیں، ایک عجیب سا معجزہ ہو رہا ہے خلافِ عادت بچہ بول رہا ہے ماں اِس پر حیران بھی ہے اور اُس کی اِن باتوں سے پریشان بھی ہے بھلا کے بولی کیوں آخر؟ جب بچہ منہ سے کوئی بری بات نکالے تو ماں کہتی ہے کیوں کرتے ہو ایسی باتیں، ایسے ہی اُس کے بھی جذبات ہوں گے۔ تو بچے کو اللہ نے قوتِ گویائی دی، کہنا لگا وہ جو ذُو ہیّت آدمی جا رہا تھا وہ ڈکٹیٹر ہے جَبَّارٌ، اور یہ جو عورت ہے یہ سچی تھی اور اِس نے ہرگز ایسی چوری نہیں کی تھی اس پر جھوٹے بہتان الزام لگائے جا رہے تھے تو اللہ کے یہاں یہ بہت بڑے درجے والی ہے اور اللہ کے یہاں اُس (مرد) کا کوئی درجہ نہیں ہے۔ دُنیا میں گو بڑا عہدہ بڑا درجہ بڑی عزت اور بڑا مرتبہ اِس کا ہے اور دُنیا میں اِس (عورت) کا کوئی مرتبہ نہیں ہے لیکن وہ (مرد) ناکام ہے یہ (عورت) کامیاب ہے، اے اللہ مجھے اِس کامیاب والوں میں کر دے اُن ناکاموں میں مجھے نہ کر، یہ بچے نے دُعا کی۔

تو جاہ وجلال شان وشوکت کی کبھی طلب نہ کریں ضمناً مل جائے آپ کے جذبے کے تحت اللہ کے طرف سے بطورِ اِنعام کے وہ بات اور ہے مقصود نہیں بنانا اگر یہ مقصود بنالیا خدانخواستہ تو شیطان کے چنگل میں آ گئے شیطان کے جال میں پھنس گئے ، آپ کا علم وفضل تقوی بڑائی اللہ کے یہاں کوئی حیثیت نہیں رکھتی بس مقصد صرف یہ رکھنا ہے کہ اے اللہ تیرے دین کا کلمہ بلند کرنا چاہتا ہوں اور کوئی میرا مقصد نہیں ہے بس وہ مجھ سے خدمت لے لے اور اُسے قبول کرلے۔ البتہ جہاں دینی مصلحت ہو وہاں ٹھیک ہے وہاں رُعب بھی دکھائے اَکڑ کر بھی چلے لیکن دِل سے نہیں وہ بات اَلگ ہے یہاں دین کا تقاضا ہے لیکن دِل میں عاجزی رہنی چاہیے ڈرتے رہنا چاہیے کہ پتہ نہیں کہ ہمارا یہ عمل قبول بھی ہے یا نہیں۔ آپ کا مقصود دُنیاوی شان وشوکت نہیں ہونی چاہیے ہاں اِتنا مقصود آپ ضرور بنائیں کہ میں اِتنا کماؤں جس سے میرے ذمہ جو حقوق ہیں وہ اَدا ہو جائیں وہ بات اور ہے، میرا یہ مقصد نہیں ہے کہ اُن میں بھی غفلت کرلیں آپ ، یہ نہیں ہے۔ بس مقصد تو دین پر چلنا ہے۔ خود دین پر چلیں گے تو دین کی خدمت آگے کریں گے، خود ہی نہیں چلیں گے تو کیسے کریں گے؟

اِس لیے بیوی بچوں کے حقوق ماں باپ کے حقوق عزیز واَقارب کے حقوق اُن کے لیے کمانا اُن کو دینا یہ بھی عبادت ہے اِس سے بھی درجہ بڑھے گا یہ بھی دین کی خدمت ہے تو ساتھ ساتھ اِن کے حقوق ادا کرتے ہوئے آگے بڑھنا ہے اَور شعبوں میں بھی دین کی خدمت کرنی ہے، تمام چیزوں پر نظر رکھنی ہے۔ ''اِتباعِ سنت'' جس چیز کا نام ہے وہ بہت مشکل کام ہے، بعض دفعہ اِنسان ایک چیز پر لگ جاتا ہے اور اُسی میں چلتا رہتا ہے اُسی کو مطمحِ نظر بنالیتا ہے وہ چیز صحیح ہوتی ہے لیکن اُس میں اِتنا انہماک کرلیتا ہے کہ دین کے دیگر شعبے اور فرائض سے غفلت ہوجاتی ہے یہ اِتباعِ سنت نہ ہوئی ، یہ غلط ہے۔

میرے چچا ایک دفعہ آئے ہوئے تھے جرمنی سے ہندوستان کے تھے جرمنی میں رہتے تھے بہت بڑے سائنسدان تھے کمپیوٹر کے اُن کی وفات کو پندرہ سال کے لگ بھگ ہوگئے ہوں گے سید خالد میاں نام تھا اور ہمیں پتہ بھی نہیں تھا کہ وہ کمپیوٹر کے کتنے بڑے سائنسدان ہیں وہ تو جب اُن کی وفات ہوگئی اور اللہ کی شان یہ ہے اُن کی خوش قسمتی کہ وہ اُن دِنوں ہندوستان میں آئے ہوئے تھے اپنے گھر میں، یہیں اُن کی وفات ہوئی یہیں تدفین ہوئی دادا جانؒ کے ساتھ (مدفون ہوئے)۔ وہاں اُن کو اللہ نے موت نہیں دی یہاں دی۔ وہ چھٹیوں میں آئے ہوئے تھے، جب اُن کی وفات ہوئی تو انگریزی کا پروگرام ہوتا ہے بین الاقوامی بی بی سی کا

اُس میں اُن پر خاص طور پر اُن کی کمپیوٹر میں جو خدمات تھیں اُس پر پروگرام نشر کیا تھا کہ یہ عالمی سطح کے کمپیوٹر کے اِتنے بڑے ماہر ہیں۔ اور ہمیں بھی پتہ نہیں تھا کہ وہ اِتنے بڑے سائنسدان ہیں ہم سمجھتے تھے کہ بس ٹھیک ہے جیسے ملازمت کررہے ہیں جرمنی میں امریکہ میں کررہے ہیں۔ تو وہ آئے ہوئے تھے ہمارے یہاں تو والد صاحبؒ باہر تھے مہمانوں میں اور وہ گھر میں بیٹھے تھے اور میں کمرے میں بیٹھا اپنا کچھ پڑھ رہا تھا تو اُن سے ذرا ہم دُور بھی رہتے تھے کیونکہ مزاج کے غصیلے تھے۔ معمولی بات پر غصہ آگیا ڈانٹنے لگ جاتے تھے تو جتنا بھی ہوسکا دُور رہتے تھے۔ تو پھر کتاب کا بہانہ اور دین کا بہانہ اور ذکر کا بہانہ تو بڑا موزوں بہانہ تھا، اِس بہانے سے تو بہت بڑے کارنامے اَنجام دیتے تھے۔ تو حضرتؒ وہاں سے گزرے تو میرے جوتے وہاں پڑے تھے تو اُس سے سمجھ گئے کہ اَندر میں بیٹھا ہوں تو آواز دی میں آگیا۔ کہنے لگے تجھے نہیں پتہ کہ اَندر خالد میاں آئے ہوئے ہیں تو کیا کررہا ہے یہاں بیٹھا؟ میں نے کہا...... پتا تھا کیا کررہا ہے پڑھ رہا ہے۔ کہنے لگے تجھے نہیں پتا وہ تھوڑی دیر کے لیے آئے ہوئے ہیں مہمان ہیں اور وہ اَکیلے وہاں بیٹھے ہوئے ہیں، خوب ڈانٹ کر کہا چلو اَندر جا اُن کے پاس اور پھر جناب جوتے پہنے سیدھا جاکے اُن کے پاس بیٹھا۔

یہ اِتباع سنت ہے، گھر مہمان آئے ہوئے ہیں دُور سے آئے ہوئے ہیں وہ اکیلے ہیں گھر میں بچیاں ہیں ٹھیک ہیں وہ بھتیجیاں تھیں اُن کی لیکن بچہ بھی تو ہونا چاہیے ساتھ، گھر کا آدمی ساتھ ہو مرد ہو تو وہ ذرا اور بات ہوتی ہے وہ سمجھتا ہے کہ میری آؤ بھگت ہورہی ہے میرا اِکرام ہورہا ہے سب خوش ہیں میرے آنے سے، یہ اُس کا دل چاہتا ہے، تو یہ ہے اِتباعِ سنت۔ ہم جوش وجذبے میں ایک دین کا کام کررہے ہوتے ہیں اور اُس میں اِتنا اِنہماک ہوتا ہے کہ باقی شعبوں سے غفلت ہوجاتی ہے وہ نہیں ہونی چاہیے، بڑائی یہ ہے کہ ہر چیز میں حق اَدا کرے خیال رکھے اُس چیز کا، اور اگر کوئی کوتاہی ہوجائے تو اُس کی تلافی کی کوشش کرے یا اُس صاحبِ حق سے معافی مانگ لے، رشتے دار بھی ہوں تو کہے بھائی زندگی گزاری ہے تمہارے ساتھ لیکن تم لوگوں کے جو حقوق ہیں وہ مجھ سے ادا نہیں ہوسکے کوتاہیاں ہوتی رہیں مجھے معاف کردیں۔ یہ بھی سنت کی پیروی ہوگی، یہ بھی اِتباعِ سنت ہی ہوگی اگر اس طرح کریں گے۔

تو اَصل میں آپ نے بس اِعلائے کلمۃ اللہ کے لیے خدمت کرنی ہے اور اِس دین پر چلنا ہے یہی آخری دین ہے یہی جدید دین ہے یہی سب سے اعلیٰ اور برتر دین ہے باقی تمام اَدیان اِس کے مقابلے میں

منسوخ اور ختم ہیں اور باطل ہیں۔ بس اِسی پر چلتے رہنا یہی ہمارے لیے سعادت ہوگی اور آپ اپنے کو کتاب سے جوڑے رکھیں اور اللہ کی یاد سے اپنے آپ کو وابستہ کریں۔ میں یہ بار بار اِس لیے کہتا ہوں کہ یہ سلسلہ بالکل ختم ہو چکا ہے اِس کی طرف کسی کی توجہ نہیں ہے بیعت ہو گئے اور ساری زندگی گزار دی بس میں تو فلاں سے بیعت ہوں۔ اِس سے کیا ہوتا ہے صرف بیعت ہو گئے؟ اگر یہی صحیح ہوتا تو آپ کے شیخ یہی کرتے بس صرف بیعت ہو چکے ہوتے اور باقی اسباق نہ کیے ہوتے جیسے اُنہوں نے کیا ہے ایسے ہی آپ نے بھی کرنا ہے مکمل طور پر، صرف بیعت ہو جانا کافی نہیں ہے اُن کے پاس جائیں اُن سے کہیں درخواست کریں بار بار کریں کہ مجھے یہ سکھائیں۔

بعض ایسے بھی ہیں جنہیں خود ہی اسباق نہیں آتے ایسے بھی ہیں بعض لوگ، لیکن ایک سلسلہ چل رہا ہے لوگ حسنِ اِعتقاد کی وجہ سے حسن ظن کے وجہ سے تعلق اُن سے قائم رکھے ہوئے ہیں۔ لیکن بہرحال صحیح تو یہی ہے کہ اِنسان تربیت اپنی بھی کرے دُوسروں کی بھی کرے تاکہ دین کا سلسلہ چلتا رہے تو اپنے کو کسی سے وابستہ کریں اور جیسے اِن کتابوں کو محنت سے پڑھ رہے ہیں اِس سلسلہ کو بھی محنت سے جاری رکھیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارا ظاہر اور باطن دونوں پاک وصاف فرمائے۔ آپ نے پڑھا آپ کے اُستاذ مولانا حسن صاحب نے پڑھایا بس اللہ تعالیٰ آپ سب کو جزائے خیر دے اور اِنہیں تو بہت ہی جزائے خیر دے، بچارے تھکتے رہتے ہیں آپ کے پاس اور اَن تھک محنت کرتے ہیں اور میں تو اِنہیں کہتا ہوں اِتنی محنت نہیں کرنی چاہیے آرام کریں ورنہ تو بیمار ہو جائیں گے کیونکہ دن رات میں یہ جو چوبیس گھنٹے ہیں چھبیس گھنٹے تو ہیں نہیں تو اِنہی چوبیس گھنٹوں میں کھانا پینا بھی ہے اِنہی میں آرام بھی کرنا ہے اِنہی میں پڑھنا پڑھانا بھی ہے سارے کام کرنے ہیں۔ تو بہرحال یہ ہیں اور دیگر سب اساتذہ ہیں یہ سب ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں اِن سے ہمارا جی خوش ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اِن کو اِس کا بہت بہت اَجر دے آپ کو بھی اور اِن سب کو بھی اور اِس سلسلے کو قائم ودائم فرمائے اور اِس کو قبول بھی فرمائے اور اِس میں جو ہم سے لغزشیں کوتاہیاں اور غلطیاں یقیناً ہوئیں ہیں اور ہوتیں ہیں اور جو آئندہ بھی ہوں اللہ اُن سب کو معاف بھی فرمائے اور ہمارا خاتمہ ایمان پر فرمائے اور آخرت میں رسول للہ ﷺ کی شفاعت اور اُن کا ساتھ نصیب فرمائے۔ وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۔(جاری ہے)

✡ ✡ ✡

سالانہ امتحان وفاق المدارس العربیہ 1429ھ مطابق 2008ء میں جامعہ مدنیہ جدید کے 258 طلباء نے شرکت کی۔ جامعہ کے نمایاں کارکردگی والے طلباء کے اسماء گرامی درجِ ذیل ہیں۔ (ادارہ)

نمبر	نام	ولدیت	ضلع	حاصل کردہ نمبر	تقدیر	کوائف
1	محمد عمران	عبدالغفور	مانسہرہ	356	جید	اوّل (عالمیہ)
2	عبدالوھاب	فضل حمید	کوہاٹ	348	جید	دوم (عالمیہ)
3	نوید عثمان	عبدالرحمٰن	کراچی	301	جید	سوم (عالمیہ)
4	احسان الحق	عبدالحق	مظفرگڑھ	480	ممتاز	اوّل (عالیہ)
5	شفقت علی	غلام سرور	ایبٹ آباد	466	جید جدًا	دوم (عالیہ)
6	شفیق الرحمٰن	محمد نواز	ملتان	429	جید جدًا	سوم (عالیہ)
7	محمد اُسامہ	بشیر احمد ظفر	قصور	473	جید جدًا	اوّل (ثانویہ خاصہ)
8	سعید احمد	محمد صفدر	سیالکوٹ	471	جید جدًا	دوم (ثانویہ خاصہ)
9	عرفان اللہ	ضیاء اللہ	سیالکوٹ	458	جید جدًا	سوم (ثانویہ خاصہ)
10	عاشق حسین	مومن خان	میانوالی	531	ممتاز	اوّل (ثانویہ عامہ)
11	محمد عزیز	ابراہیم خان	میانوالی	528	ممتاز	دوم (ثانویہ عامہ)
12	عاشق احمد	اختر جان	گلگت	480	ممتاز	سوم (ثانویہ عامہ)
13	محمد نعیم	محمد حنیف	لاہور	90	ممتاز	اوّل (درجہ حفظ)
14	شاہد دِلشاد	دِلشاد اَحمد	لاہور	82	ممتاز	دوم (درجہ حفظ)
15	محمد عثمان	محمد جہانگیر	گوجرانوالہ	76	جید جدًا	سوم (درجہ حفظ)

گلدستۂ احادیث

﴿ حضرت مولانا نعیم الدین صاحب، مدرس جامعہ مدنیہ لاہور ﴾

شہید چار طرح کے ہوتے ہیں :

عَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ يَقُوْلُ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ :اَلشُّهَدَآءُ اَرْبَعَةٌ رَجُلٌ مُؤْمِنٌ جَيِّدُ الْاِيْمَانِ لَقِىَ الْعَدُوَّ فَصَدَّقَ اللّٰهَ حَتّٰى قُتِلَ فَذَالِكَ الَّذِىْ يَرْفَعُ النَّاسُ اِلَيْهِ اَعْيُنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ هٰكَذَا وَرَفَعَ رَأْسَه' حَتّٰى سَقَطَتْ قَلَنْسُوَتُهٗ فَلَا اَدْرِىْ قَلَنْسُوَةَ عُمَرَ اَرَادَ اَمْ قَلَنْسُوَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَرَجُلٌ مُؤْمِنٌ جَيِّدُ الْاِيْمَانِ لَقِىَ الْعَدُوَّ فَكَاَنَّمَا ضُرِبَ جِلْدُهٗ بِشَوْكِ طَلْحٍ مِّنَ الْجُبْنِ اَتَاهُ سَهْمٌ غَرْبٌ فَقَتَلَهٗ فَهُوَ فِى الدَّرَجَةِ الثَّانِيَةِ وَرَجُلٌ مُؤْمِنٌ خَلَطَ عَمَلًا صَالِحًا وَّآخَرَ سَيِّئًا لَقِىَ الْعَدُوَّ فَصَدَّقَ اللّٰهَ حَتّٰى قُتِلَ فَذَاكَ فِى الدَّرَجَةِ الثَّالِثَةِ وَرَجُلٌ مُؤْمِنٌ اَسْرَفَ عَلٰى نَفْسِهٖ لَقِىَ الْعَدُوَّ فَصَدَّقَ اللّٰهَ حَتّٰى قُتِلَ فَذَاكَ فِى الدَّرَجَةِ الرَّابِعَةِ . (ترمذی ج ١ ص ٢٩٣ . مشکوٰة ص ٣٣٥)

حضرت فضالہ بن عبیدؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو سنا وہ فرمارہے تھے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو سنا آپ فرمارہے تھے کہ شہید چار طرح کے ہوتے ہیں: (1) ایک تو وہ شخص جو کامل الایمان مسلمان تھا جب اُس کی دُشمن سے مڈبھیڑ ہوئی تو اُس نے اللہ کو سچ کر دکھایا یہاں تک کہ (لڑتے لڑتے) مارا گیا۔ یہ وہ شخص ہے کہ جس کی طرف لوگ قیامت کے دن اِس طرح سر اُٹھا کر دیکھیں گے یہ کہہ کر آپ نے سر اُٹھالیا یہاں تک آپ کی ٹوپی گر پڑی، حدیث کے وہ راوی جنہوں نے حضرت فضالہؓ سے اِس روایت کو نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم کہ حضرت فضالہؓ کی مراد کس کی ٹوپی تھی یعنی حضرت فضالہؓ نے روایت حدیث کے وقت یہ واضح نہیں کیا کہ آیا

اُن کی مراد یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے حدیث بیان کرتے وقت آنحضرت ﷺ کی طرح سر اُٹھا کر دکھایا تو اُن کی ٹوپی گری تھی یا اُن کی مراد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ٹوپی گری تھی (الغرض جو بھی صورت ہو) پھر حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا : (2) دُوسرا وہ شخص جو کامل الایمان مسلمان تھا جب اُس کی دُشمن سے مڈبھیڑ ہوئی تو وہ اپنی بزدلی کی وجہ سے ایسا نظر آنے لگا جیسے اُس کے بدن میں خاردار کانٹے چبھوئے گئے ہوں، پھر ایک تیر اُس کو آکر لگا جس کا چلانے والا نامعلوم تھا اور اُس تیر نے اُس کو موت کی آغوش میں پہنچا دیا، یہ شخص پہلے شخص کے بہ نسبت دُوسرے درجہ کا ہے۔(3) تیسرا شخص وہ مؤمن تھا جس نے کچھ اچھے اور کچھ بُرے اعمال کیے تھے جب دُشمن سے اُس کی مڈبھیڑ ہوئی تو اُس نے اللہ تعالیٰ کو سچ کر دکھایا یہاں تک کہ لڑتے لڑتے مارا گیا، یہ شخص تیسرے درجہ کا ہے۔ (4) اور چوتھا شخص وہ مسلمان تھا جس نے اپنی جان پر اِسراف کیا تھا (یعنی اُس نے بہت زیادہ گناہ کیے تھے) جب دُشمن سے اُس کی مڈبھیڑ ہوئی تو اُس نے اللہ کو سچ کر دکھایا یہاں تک کہ لڑتے لڑتے مارا گیا تو یہ شخص چوتھے درجے کا ہے۔

ایسی چار چیزیں جن کے پائے جانے کی صورت میں دُنیا کے فوت ہونے نہ ہونے کا کوئی غم نہیں :

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَرْبَعٌ اِذَا كُنَّ فِيْكَ فَلَا عَلَيْكَ مَا فَاتَكَ الدُّنْيَا حِفْظُ اَمَانَةٍ وَصِدْقُ حَدِيْثٍ وَحُسْنُ خَلِيْقَةٍ وَعِفَّةٌ فِيْ طُعْمَةٍ .

(شعب الایمان للبیهقی ج۴ ص ۳۲۱ ، مشكٰوة ص ۴۴۵)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: لوگو چار چیزیں ایسی ہیں کہ اگر وہ تم میں پائی جائیں تو دُنیا کے فوت ہونے نہ ہونے کا تمہیں کوئی افسوس نہیں ہونا چاہیے: (1) امانت کی حفاظت کرنا (2) سچی بات کہنا (3) اخلاق کا اچھا ہونا (4) کھانے میں اِحتیاط و پرہیزگاری اِختیار کرنا۔

تہذیبوں کے عروج وزَوال میں عِلم کا کردار

﴿ حضرت مولانا محمد عیسٰی صاحب منصوری، لندن ﴾

اقوامِ عالم کے درمیان جنگ کا فیصلہ کُن پہلو ہمیشہ علم رہا ہے، شکست خوردہ اقوام کے لیے دوبارہ غلبہ وعروج کی راہ صرف علم کی شاہراہ سے گزرتی ہے۔ گیارہویں صدی عیسوی میں عربوں سے ملنے والے علمی ورثہ نے عثمانیوں کو اِس قابل بنادیا تھا کہ وہ دُنیا کی سب سے بڑی سیاسی وعسکری طاقت کا سامنا کرکے اُسے شکست دے سکیں۔

اِنسان کی قسمت علم سے وابستہ ہے اللہ تعالیٰ نے اُس کی دُنیوی واُخری کامیابی وفلاح کا مدارعلم پر رکھا ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی معرفت کے علم کے ساتھ علم الاسماء یعنی کائناتی علم سے بھی سرفراز فرمایا۔ جو بھی قوم کائنات کی ماہیت وحقیقت اور اُس کے استعمال کے طریقوں سے زیادہ واقفیت رکھے گی دُنیوی نظام واقتدار اُن کے حوالے کیا جائے گا یہی ہمیشہ ضابطۂ خداوندی اور سنت اللہ رہی ہے۔

تشریحی وتکوینی دونوں علم اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کے ذریعے اِنسانوں کو عطا کیے، اللہ کا آخری پیغام (قرآن) دونوں علوم سے بھرپور ہے دونوں علوم کی اہمیت سینکڑوں آیات سے ہویدا ہے پیغمبر اسلام ﷺ نے علم کو ایک وحدت کے طور پر دیا اور آپ کی تربیت کردہ جماعت نے دونوں علوم میں سرفرازی حاصل کی۔ کائناتی نظام کو اَحسن طریقے پر چلانے میں حضرت عمرؓ کی اوّلیات اور معاصرا قوام پر غلبہ کے لیے عصری ٹیکنالوجی میں سبقت دورِ عثمانی کے بحری بیڑے سے ظاہر ہے جس نے 654ء میں اُس دَور کی سب سے بڑی سپر پاور (سلطنتِ رُوما) کے بحری بیڑے کے تمام پانچ سو جہاز ایک دِن میں بحرِ رُوم میں غرق کرکے بحرِ رُوم سے 800 سالہ رُومی تسلط ختم کرکے اُس پر مسلمانوں کی حکمرانی قائم کردی۔ اُس کے بعد اِسلامی بحری طاقت کو صدیوں تک کوئی قوم چیلنج نہ کرسکی۔

دورِ خلافتِ راشدہ کے بعد اَسی سال اُموی دور میں مسلمان اَفریقہ، وسط ایشیا یورپ کی فتوحات و استحکام کے ساتھ اُس دور کے تمام کائناتی وعصری علوم وفنون میں اقوام عالم سے سبقت حاصل کرچکے تھے۔

مامون الرشید کے دور میں اقوام عالم کے پاس موجود اِنسانی تجربہ وتحقیق پر مشتمل کائناتی علوم کے یونانی، سریانی، سنسکرت اور لاطینی زبان سے اِس قدر سرعت سے عربی میں تراجم ہوئے جو بعد کے ہزار سال میں نہ ہو سکے۔ نزولِ قرآن سے جن علوم کا چرچا شروع ہوا جلد ہی قاہرہ، سسلی، طلیطہ، قرطبہ اُن علوم کے مرکز بن گئے۔ دُنیا کے کونے کونے سے کتابیں اُن مراکز میں پہنچنے لگیں۔ یونان، مصر، ہند وچین کے تمام علوم آٹھویں صدی عیسوی تک عربی میں منتقل ہو چکے تھے مسلمانوں نے صرف اُن علوم کا ترجمہ ہی نہیں کیا بلکہ اُنہیں عصری طور پر قابل فہم بنایا۔ یہ علوم جو مبادیات کے درجہ میں تھے اُنہیں ارتقاء کے منازل طے کرائے تاریخِ انسانی میں مسلمانوں سے قبل کسی قوم کو بنی نوع انسان کے علوم کے تمام جوہر کسی ایک خزانہ میں منتقل کرنے کا افتخار حاصل نہ ہو سکا تھا۔

مغرب کی سرحدوں پر اِن علوم کے دو بڑے مراکز تھے ایک قرطبہ دُوسرا سسلی۔ اِن مراکز سے یورپ میں علوم کی مشامِ جانفزا پہنچنے لگی۔ یاد رہے سسلی ابتداء میں تیسری صدی ہجری سے پانچویں صدی ہجری تک مسلمانوں کے زیرِ نگیں رہا اِس لیے یورپ میں سب سے زیادہ علوم سسلی کے ذریعہ منتقل ہوئے پھر اسپین میں ہزار ہا سال کے اِنسانی تجربات اور سائنسی علوم کو آگے بڑھانے کے لیے بکثرت تو نیورسٹیز، تجربہ گاہیں اور رَصد گاہیں قائم ہوئیں جو دُنیا کے کائناتی علوم میں بے انتہا اِضافہ کا سبب بنیں، تقریباً چھ سو سال تک مسلمان دُنیا بھر کی اقوام سے کائناتی علوم وسائنس میں فائق رہے۔ جب اسپین علوم وفنون سے جگمگا رہا تھا، یورپ وحشت وجہالت کے تاریک دَور (DARK) میں تھا جب اسپین میں علوم وفنون کی شاندار جامعات تھیں، یورپ میں علوم کے ابتدائی مدارس بھی ناپید تھے۔ جب اسپین کی شخصی لائبریریوں میں لاکھوں کتب تھیں، یورپ کے بادشاہوں کی لائبریریوں میں گنتی کی کتب ہوتی تھیں، یورپ کے غیر فطری موسم کی طرح اُن اقوام کا مزاج و نفسیات بھی ہمیشہ اِنتہا پسندانہ اور وحشت وبربریت کا شائق رہا۔

خونریزی ودہشت گردی اور سازشیں ہمیشہ ہی یورپ کی فطرتِ ثانیہ رہی ہیں، سپین میں یمن وحجاز کے قبائل کے مابین عصبیتِ جاہلیہ کی خانہ جنگی نے سپین سے عرب سلطنت اُکھاڑ پھینکنے کا موقع یورپ کو فراہم کر دیا اِس طرح سپین سے طبعیاتی (سائنسی) اور دیگر کائناتی علوم کی ترقیات کی بساط لپیٹ دی گئی۔ سپین کی تباہی کے ساتھ ساتھ تاتاریوں کے ہاتھوں بغداد کی خلافتِ عباسیہ اور عالمِ اسلام کے بڑے حصّے کی تباہی وبربادی

نے مسلمانوں کے علوم وفنون اور تہذیب کو زوال پزیر کردیا اگرچہ جلد ہی تاتاری نسل نے اِسلام قبول کر کے اپنی شمشیر خاراشگاف سے مشرقی رُومن امپائر کے بڑے حصّے کو فتح کر کے مشرقی کرسچین کیپٹل قسطنطنیہ بھی فتح کرلیا۔ تاتاریوں کا پس منظر جنگجویانہ تھا وہ اِسلام کے بازوئے شمشیرزن تو بن گئے مگر عربوں کے تجرباتی و سائنسی علوم کے وارث نہ بن سکے۔ جب تک ترکوں اور مشرقی بازنطینی سلطنت رُوما کے درمیان جنگ رہی رُومن امپائر (پوپ) مشرقی عسائیت سے شدید نفرت وعداوت کی بناء پر خاموش تماشائی بنی رہی لیکن جب ترکی افواج نے یورپ کے مشرقی ممالک کو فتح کرنا شروع کیا تو یورپ (مغربی سلطنت رُوما) اور ویٹیکن کے پوپ و پادریوں نے اِسلام اور مسلمانوں کے مکمل خاتمہ تک اعلانِ جہاد کر کے اپنی ساری طاقت صلیبی جنگوں میں جھونک دی۔

اگرچہ سقوطِ سپین اور تاتاریوں کی یلغار کے بعد عالمِ اسلام میں علوم وفنون کا زوال شروع ہوگیا تھا مگر اَب بھی علوم میں وہ یورپ سے بہت فائق تھا۔ یورپ کے شروع کردہ صلیبی جنگیں یورپ ومسیحت کے مکمل شکست پر منتج ہوئیں اُن جنگوں میں یورپ نے مسلمانوں کی علمی برتری کا مشاہدہ کرلیا تھا چنانچہ شکست کے اسباب پر غور وخوض اور اِسلام اور مسلمانوں کے مکمل اِستحصال کے لیے کسی نئے لائحہ عمل کی تلاش میں مغرب کے مذہبی پادری وسکالر اور حکمران سرجوڑ کر بیٹھے۔

تیرہویں صدی عیسوی (1270ء) میں شاہِ فرانس نہم نے جسے مصر میں گرفتاری کے بعد تیونس پر حملہ میں مکمل ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تھا مرتے وقت وصیت نامہ میں لکھا کہ ہم عرصہ سے مسلمانوں کو مغلوب کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں شدید جنگوں کے باوجود ہم غالب نہیں آسکے کیونکہ مقابلہ کے وقت مسلمانوں میں ایسا جذبہ پیدا ہوجاتا ہے جس کا مقابلہ مشکل ہے۔ اِس لیے اَب ہمیں دُوسرے وسائل اور اَسباب اِختیار کرنے چاہئیں اور اُس کی یہی تدبیر ہے کہ جنگ کو عسکری محاذ سے علمی و رُوحانی محاذ پر منتقل کردیا جائے۔

یہ وصیت نامہ آج بھی پیرس میں محفوظ ہے جس میں چار نکاتی پروگرام پیش کیا گیا ہے: (1) مسلمان قائدین میں پھوٹ ڈالنا (2) کسی راسخ العقیدہ صحیح فکر وعمل والی جماعت کو منظّم نہ ہونے دینا (3) مسلم معاشرہ کو بے حیائی، اخلاق اَنارکی اور رِشوت وغیرہ کے ذریعہ کھوکھلا کرنا (4) غزہ (فلسطین واِسرائیل) سے انطاکیہ تک وسیع ومتحد یورپین امپائر قائم کرنا۔

چنانچہ شہنشاہِ فرانس کی وصیت کی روشنی میں محاذِ جنگ کو اسلحہ سے علم کی طرف موڑنے کا کام شروع ہوا، اِس سلسلے میں سب سے اہم پیش رفت اُس وقت ہوئی جب یورپ کا سب سے بڑا سائنسدان راجر بیکن (Roger Bacon) اور طلیطہ کا رئیس الاساقفہ (آرچ بشپ) ریمنڈ لل (Ramad Lull) نے رُومن یورپ سے (جو تقریباً 700 سال سے عملاً یورپ کا حکمران تھا طویل مذاکرات ومباحثوں کے بعد عربی زبان اور اُس کے ذریعے مسلمانوں کے علوم (کائناتی وسائنسی) کو حاصل کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ یورپ کو شروع میں تردد تھا کہ کہیں عربی زبان اور علوم کی راہ سے مسلمانوں کا تمدن اور مذہب نہ سرایت کر جائے۔

بڑی ردّ وقدح کے بعد اُن سکالرز نے پوپ کو اطمینان دلایا کہ مسلمانوں سے علوم کے حصول کے ساتھ ساتھ ہم اِسلام کو مسخ کرنے اور اِسلام کی نفرت انگیز ودہشت گردانہ تصویر بنانے کا کام بھی ساتھ ہی کریں گے۔ تب پوپ نے ایک عظیم مشن کے طور پر اِسلامی علوم وفنون سیکھنے اور اُن علوم میں مسلمانوں کو پیچھے دھکیلنے کے کام کی اجازت دے دی۔ اقوامِ عالم کے درمیان جنگ کا فیصلہ کُن پہلو ہمیشہ علمی رہا ہے شکست کھا جانے والی اقوام کے لیے دوبارہ غلبہ وعروج کی راہ صرف علم کی شاہراہ سے گزرتی ہے دُوسری عالمگیر جنگ میں جاپان پر امریکی فتح درحقیقت امریکہ کی سائنس وٹیکنالوجی کی فتح تھی۔ اِس بھیانک شکست کے بعد جاپان نے شکست کے حقیقی اسباب یعنی علم اور سائنس پر توجہ مرکوز کرکے علومِ فطرت میں پیش رفت جاری رکھی۔ نصف صدی کے اَندر اَندر اِس چھوٹے سے جزیرے نے دُنیا کی سب سے بڑی امپائر کو پیچھے دھکیل دیا۔ اَب امریکہ کے لیے ممکن نہیں رہا کہ وہ جاپان کو نظرانداز کر سکے علم نے مفتوح کو فاتح پر برتری دِلوادی۔

گیارہویں صدی عیسوی میں عربوں سے ملنے والے علمی وَرثہ نے عثمانیوں (ترکوں) کو اِس قابل بنا دیا تھا کہ وہ دُنیا کی سب سے بڑی سیاسی وعسکری طاقت (رُومن اَمپائر) کا سامنا کرکے اُسے شکست دے سکیں مگر اُن سے غلطی یہ ہوئی کہ اُنہوں نے صرف عسکری قوت پر تکیہ کیا علمی ورثہ کو آگے بڑھانے پر توجہ نہیں دی کیونکہ ترکوں کا ماضی محض عسکری تھا وہاں کوئی علمی روایت نہیں تھی۔ اِنہیں احساس اُس وقت ہوا جب بہت دیر ہو چکی تھی ایک طرف مغرب علم میں بہت آگے بڑھ گیا تھا دُوسری طرف مسلمانوں نے دُوسروں سے علم اَخذ کرنے کی صلاحیت کھو دی تھی، علم سے اِستفادے کے لیے وسعتِ نظر ضروری ہے۔ جابر بن حیان کا قول ہے ''علم میں اِضافے نیز نئے نئے اِنکشافات واِیجادات کے لیے اِنسان کے سامنے کوئی حد نہیں، اُسے چاہیے کہ

وہ تمام کائنات کے اسرار منکشف کرنے کی کوشش کرے اور یہ کہ اِس عالم سے ماورئی جو اِسرار ہیں اُن سب کو منکشف کرنے کی اِسے صلاحیت عطا کی گئی ہے۔''

اِسی طرح القانونِ مسعودی کے مقدمہ میں مسلم دُنیا کی سب سے بڑی علمی و سائنسی شخصیت البیرونی کا قول نقل کیا گیا ہے: ''میں نے وہی کیا جو ہر اِنسان کو اپنے فن میں کرنا لازم ہے یعنی اَگلوں کے اِجتہادات و اِنکشافات کو ممنونیت کے ساتھ قبول کرے اور کہیں خلل پائے تو بے جھجک اُس کی اِصلاح کرے اور جو کچھ اُس فن میں اِسے سوجھے اپنے بعد کے زمانے والوں کے لیے محفوظ کر جائے''۔

برطانیہ کے سب سے بڑے مؤرخ آرنلڈ ٹوئن بی نے اِعتراف کیا کہ یونان وُروم کے علم الاصنام (بت پرستی) نے علم کو سب سے زیادہ نقصان پہنچایا اُس نے مظاہرِ قدرت کو معبود (دیوی دیوتا) بنا کر تجربہ اور سائنس کا باب بالکل بند کر دیا۔ اِنسانیت پر علوم و سائنس کا دروازہ قرآن کے اِنقلابی نظریۂ توحید نے کھولا۔ اِس اِنقلابی نظریہ نے مظاہرِ قدرت کو معبود کے مقام سے اُتار کر اَدنیٰ مخلوق اور اِنسان کو اشرف المخلوق کے درجہ میں رکھا، اِسی طرح مظاہرِ قدرت و اَشیائے کائنات پرستش کے بجائے تسخیر اور فائدہ اُٹھانے کی چیزیں بن گئیں یہی بات اِنسائیکلو پیڈیا برٹانیکا (1984ء) کے مقالہ نگار نے لکھی: ''یونانی علوم کا رُومنوں کی بے توجہی سے خاتمہ ہو گیا تھا دوبارہ یورپ کو یہ تمام علوم عربوں اور عربی کتب کے واسطے سے ملے، عربوں نے اِن علوم میں بیش بہا اِضافہ کر کے واپس کیا اِس طرح یورپ میں سائنس کے احیاء کا دور شروع ہوا۔'' یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے کہ یورپ نے عربوں سے اِکتسابِ علم اور عربی کتب کے ترجمے صلیبی جنگوں سے نہیں بلکہ اُس سے بہت پہلے شروع ہو گئے تھے۔ یہ عمل صدیوں تک مسلسل جاری رہا اُن کے مراکز ہسپانیہ سسلی (اٹلی) اور بیرنطہ (ترکی) رہے چنانچہ فرانس کا مشہور مؤرخ موسیو لیبان اپنی کتاب ''تمدنِ عرب'' میں لکھتا ہے: ''عربی اور اِسلامی علوم صلیبی جنگوں سے نہیں بلکہ اُس سے بہت پہلے اُندلس اور سسلی کے ذریعے پہنچے البتہ اُس میں تیزی بارہویں صدی میں یورپ راجر بیکن اور ریمنڈلل کے منظّم منصوبے کے بعد آئی۔

1130ء میں طلیطہ کے آرچ بشپ ریمنڈلل (Ramad Lull) کی سرپرستی میں عربی سے لاطینی مترجمین کا اِدارہ قائم ہوا جس نے مختلف فنون کی عربی کتب کا لاطینی میں ترجمہ کیا۔ یاد رہے 1086ء میں طلیطہ (Toledo) کے سقوط کے بعد طلیطہ کے نادر کتب خانے عیسائیوں کے قبضے میں آئے۔ عیسائی قبضے

کے بعد بھی بدستور عربی زبان کا چلن رہا، طلیطہ کے آرچ بشب ریمنڈلل (1115-1126) نے ایک دارالترجمہ قائم کیا جو عربی سے لاطینی میں تراجم کے فرائض انجام دیتا تھا۔ یہ دارالترجمہ تقریباً ایک صدی تک کام کرتا رہا اُس میں مسلم علماء، یہودی مترجمین اور مغربی اہلِ قلم سب ہی ملازم تھے اُس اِدارے کا سربراہ ایک اطالوی جراد آف کریمونا (Gerard Of Cremona) تھا جس نے خود کم اَزکم 71 نادر کتب کا ترجمہ کیا۔ اِس عہد میں فلسفہ، ریاضی اور طب کے علوم کو خصوصیت کے ساتھ مغربی زبانوں میں منتقل کیا گیا۔ ریمنڈلل نے کلیسا کو دعوت دی کہ علومِ شرقہ کے مطالعے کو علمی ورُوحانی صلیبی جنگ کے ہتھیار کے طور پر اِستعمال کیا جائے یہی کام روجر بیکن نے کیا۔

مغرب نے اُن مجالس اور مباحثوں میں اپنی کمزوریوں کی تشخیص کر لی تھی اور وہ دُشمن (مسلمانوں) کی برتری کے راز معلوم کر چکے تھے اِس کمزوری کو رفع کرنے اور دُشمنوں پر برتری حاصل کرنے کا جامع منصوبہ تیار کر کے اُس پر عمل درآمد شروع ہوا۔ اِسلامی ومشرقی علوم کا گہرا مطالعہ اِس جنگی منصوبہ بندی کا اہم حصہ تھا۔ مستشرقین اِس علمی ورُوحانی حروبِ صلیبیہ کا ہراول دستہ تھے اُس دَور میں اِس موضوع پر یورپ میں سنجیدگی سے بین الاقوامی کانفرنسیں ہوئیں، اَغراض ومقاصد کا تعین ہوا، طریقۂ کار طے کیے گئے، علوم مشرقیہ کے بامقصد مطالعہ کا دَور شروع ہوا جن کا سب سے اہم متعینہ مقصد تھا عیسائیت کی ترویج اور اِسلام کی بیخ کنی کے لیے خود کام کیا جائے اور دُوسروں کے لیے مواد پہنچایا جائے۔ کلیسا کو یہ خوف لاحق تھا کہ کہیں اِسلام کے تمدنی ومذہبی اَثرات مغرب میں نفوذ نہ کر جائیں اِس خدشے کے پیشِ نظر کلیسا نے انہیں کالے علوم کا خطاب بخشا اور اپنے حدود میں ممنوع قرار دیا اور مسلمانوں کے مادی وکائناتی علوم نقل کرنے سے پہلے ان بپتسمہ (اسلامی اَثرات ختم کرنا) ضروری سمجھا گیا۔

یہ حقیقت قابلِ غور ہے کہ تیرہویں صدی عیسوی میں یورپ میں جب علم کا چرچا شروع ہوا اُس وقت اُس کا مظہر وہ یونیورسٹیز تھیں جو ابتداً صرف اُنہی شہروں میں قائم ہوئیں جو عربی واِسلامی علوم کے اَخذ و اِکتساب کے مراکز تھے۔ مغربی مؤرخین نے بارہا اُن جامعات کے قیام کی توجیہہ کرنے کی کوشش کی مگر اِطمینان بخش توجیہہ نہ دے سکے کیونکہ یہ جس اَنداز میں قائم ہوئیں ماضی میں اُن کی کوئی مثال یورپ میں موجود نہ تھی اُن کا تصور نہ یونانیوں کے ہاں تھا نہ یورپ کے قرونِ وسطی میں، یہ جدید یونیورسٹیاں اپنے منصوبوں اور تمام تر

اُصول وفروغ میں صرف اور صرف اسلامی عربی یونیورسٹیوں کی تقلید پر قائم تھیں۔

عربوں نے اجنبی اقوام سے علم سیکھنے کا کام اُس وقت کیا جب وہ اِسلام قبول کر چکی تھیں یا اِسلام کے زیرِ نگیں آچکی تھیں اِس لیے عربوں کے اَجنبیوں سے علمی اِستفادے میں تعصب کا عنصر بالکل نظر نہیں آتا اُس کے برعکس مغرب نے عربوں کو اپنا دُشمن وحریف سمجھتے ہوئے اُن سے علم اَخذ کرنا شروع کیا اُس سے اُن کے ہاں علمی سرقہ رواج پایا کہ مسلمان علماء وسائنسدانوں کی دریافتوں، اِنکشافات وایجادات کا سہرا اپنے بشپوں، پادریوں اور اسکالرز کے سر باندھ دیا جائے چنانچہ گیارھویں صدی عیسوی میں ابن عدون (Ibn-Adon) نے تحریر کیا ''کتابوں کو عیسائیوں کے ہاتھوں فروخت نہیں کرنا چاہیے کیونکہ وہ اُس کا ترجمہ کرکے اپنے بشپوں (Bishops) سے منسوب کر دیتے ہیں۔''

عربوں نے شروع ہی سے علمِ حدیث کی طرح ہر علم میں اُستاد پر زور دیا یعنی عرب مصنفین یہ بتانا ضروری سمجھتے تھے کہ علم اُنہوں نے کس لیا جبکہ یورپ میں اُستاد کا رواج کبھی نہیں رہا خصوصاً لاطینیوں کے یہاں عربوں کی طرح یہ اُصول نہیں تھا کہ تصانیف کو اُن کے اَصل لکھنے والوں سے منسوب کرنا ضروری ہے اُس کی سب سے نمایاں مثال خود ریمنڈلل اور روجر بیکن ہی ہیں جنہوں نے تمام عمر عربوں سے علوم اَخذ کیے بعد میں بہت سی کتب لکھیں جو سب عربی الاصل یا عربوں کی کتب کا ترجمہ ہیں مگر اُس کو کہیں ظاہر نہیں کیا۔

اُن کا تمام تر اِنحصار الکندی، ابن سینا، ابن رشد وغیرہ وغیرہ جیسے عربی مؤلفین پر رہا۔ راجر بیکن کو تو پوری طرح کا عربوں کا شاگرد کہنا چاہیے یورپ میں اُس کی پہچان جن نئے دریافتوں کے حوالے سے ہوئی یہ سب عربوں کی دریافتیں تھیں۔ مثلاً راجر بیکن سے علم البصریات میں جو کارنامے منسوب ہیں اُن کی بنیاد ابن الہیثم کے نظریات پر تھی اِسی طرح طب وفلکیات کا علم مغرب کو اسپین کے مشہور یہودی عالم موسیٰ بن میمون سے ملا جس نے ابن سینا کی القانون اور مسلمانوں کے دیگر بکثرت علوم کا ترجمہ کرکے دیا ادیلاٹ آف باتھ (Adelord Of Bath) جو مغرب میں جغرافیہ وفلکیات کا بانی سمجھا جاتا تھا اُس کی مشہور کتاب (Introduction to the Astronomy) الخوارزمی کی کتاب کا ترجمہ ہے۔ مغرب کے مشہور مصنف رابرٹ نے الخوارزمی کے الجبرے کے علم کو لاطینی میں منتقل کیا جس کی وجہ سے عربی ہندسوں نے رومن ہندسوں کی جگہ لی اور مغرب میں صفر کا اِستعمال شروع ہوا جس پر آج کی ریاضی، ٹیکنالوجی اور سائنس کا

دارومدار ہے ورنہ رومن ہندسوں میں یہ صلاحیت نہیں تھی کہ وہ ریاضی، سائنس، ٹیکنالوجی میں اِستعمال ہو سکے۔ایک عرب عالم کی کتاب المعراج کا ترجمہ الفانسو دہم کے لیے کیا گیا۔

1918ء میں آسن پولاسئس (Asin Polacius) نے یہ تحقیق کر کے مغرب کے علمی حلقوں میں تہلکہ برپا کردیا کہ وہ دانتے کی تصنیف (Divine Commedia) اِسی کتاب المعراج کا چربہ ہے۔ ریمنڈلل کو 20 سے زیادہ اہم کتب کا مصنف سمجھا جاتا ہے۔جدید تحقیق سے واضح ہوگیا کہ یہ سب عربی تالیفات کے ترجمے ہیں۔اِسی طرح علی بن موسیٰ مجوسی کی کتاب ''کامل الضاعہ الطبیہ'' یورپ کے اطباء میں دوسو سال تک اِس حیثیت سے مقبول رہی کہ یہ مسیحی قسطنطین کی تصنیف ہے۔عظیم البرٹس (Albertus Magnus) کو یورپ میں اَرسطو کے علوم کا سب سے بڑا عالم و ماہر سمجھا جاتا رہا۔جدید تحقیقات نے ثابت کردیا کہ وہ یونانی زبان سے ناواقف تھا اُس نے اَرسطو کے جو کچھ علوم پیش کیے وہ سب کے سب ابن سینا، ابن رشد وغیرہ کی شروح کا سرقہ تھا۔تاتاریوں کے ذریعے بغداد کے کتب خانوں کی تباہی اور اُس کے بعد قرطبہ، طلیطہ کے کتب خانوں کا نذرِ آتش ہوجانا ایسے عظیم سانحے تھے جس نے علمی سرقوں کی تحقیقات کا اِمکان ہی ختم کردیا۔

یورپ میں سرقہ کی یہ رَو 16 ویں صدی عیسوی تک برابر چلتی رہی حتی کہ 17 ویں صدی عیسوی تک مغرب کی تاریخِ علوم میں عرب علماء، سکالرز کا نام یکسر فراموش ہو چکا تھا چنانچہ بعد والی یورپین نسلیں اور سکالرز یہ سمجھنے سے قاصر رہے کہ اُن کے پاس جو کچھ علوم ہیں وہ عربوں کی عطا کردہ ہیں۔بندہ کے نزدیک یہ مغرب کی علمی دہشت گردی ہے کیونکہ اِس سب کے لیے سرقہ کا لفظ بہت چھوٹا پڑتا ہے۔

الغرض یورپ 16 ویں صدی عیسوی تک کائناتی علوم و سائنس میں آگے نکل گیا اور اُسے عالمی طور پر غلبہ حاصل ہوگیا حتی کہ 16 ویں صدی میں مغل ایمپائر اکبرِ اعظم کے دور میں برصغیر کے حاجیوں کے جہاز اُن کی اجازت کے بغیر سفر نہیں کر سکتے تھے۔اُس وقت ہمارے علماء و سکالرز اِس قسم کی مجالس منعقد کر کے حالات کا معروضی جائزہ لے کر ملتِ اِسلامیہ کو بتاتے کہ یورپ کا عروج دَرحقیقت علمی و سائنسی ہے، یورپ نے یہ علوم ہمارے اَسلاف سے ہی حاصل کر کے اِن میں مزید اِضافہ کر کے غلبہ وقوت حاصل کی ہے۔اِس لیے ہمیں اِن علوم کو جو ہماری ہی میراث ہے، دوبارہ حاصل کر کے مغرب کو علم کے میدان میں شکست دینی ہے تو تاریخ پھر اپنے آپ کو دوہراتی جیسے 13 ویں صدی میں یورپ ، راجر بیکن ریمنڈلل کے حصول علم کے فیصلے کے بعد

یورپ میں دوہرائی گئی مگر ہم نے اپنی کوتاہ فہمی سے جہد ومقابلہ کو علمی وسائنسی میدان کے بجائے صرف اسلحی وثقافتی وتہذیبی میدان تک محدود رکھا، یہ جانتے ہوئے بھی کہ علم وسائنس میں سبقت کی وجہ سے ہم مغرب سے اسلحی وعسکری طور پر بھی مغلوب بلکہ مکمل محتاج کے عالم میں ہیں اِسی میدان میں مقابلہ کرتے رہے جس میں یورپ کی فتح وکامیابی اور ہماری شکست وتباہی یقینی تھی ، ہم نے جہد وکوششوں کا رُخ علوم کے بجائے یورپ کی تمدن وثقافت اور معاشرتی خرابیوں کے رَد تک محدود رکھا جو آسمانی تعلیمات سے محروم اور نفس وخواہشات کی اِتباع کرنے والی قوموں کا خاصّہ ہے۔

الجزائر کے شیخ عبدالقادر، لیبیا کے سیدی احمد شریف سنوسی، داغستان کے امام شامل سے لے کر افغانستان کے طالبان تک دینی علوم واَصناف کے اعتبار سے بہترین لوگ تھے۔آج الجزائر، لیبیا، داغستان واَفغانستان میں عسکری جدوجہد کا نتیجہ سامنے ہے۔اَب بھی ضرورت ہے کہ جہد وجہاد کو علمی، سائنس وتحقیقی محاذ کی طرف بھی موڑا جائے جس طرح 13ویں صدی عیسوی میں یورپ کے مذہبی سکالرز نے کیا تھا تب ہی مستقبل میں مغرب کی ہمہ جہتی غلامی سے خلاصی کی اُمید رکھی جا سکتی ہے ورنہ مزید تباہی وغلامی سامنے ہے۔

۞ ۞ ۞

﴿ وفیات ﴾

جامعہ قاسمیہ رحمٰن پورہ لاہور کے اُستاذ الحدیث حضرت مولانا عبدالغفار صاحب طویل علالت کے بعد گذشتہ ماہ وفات پاگئے۔اللہ تعالیٰ مولانا کی دینی خدمات کو قبول فرمائے اور اُن کی مغفرت فرما کر آخرت کے بلند درجات عطا فرمائے۔

جامعہ مدنیہ جدید کے خادم حافظ منظر عباس کشمیری کے نانا صاحب ناگہانی حادثہ کی بناء پر گذشتہ ماہ وفات پاگئے۔جامعہ مدنیہ جدید کے سابق طالب علم حافظ محمد علی بلتی بھی طویل علالت کے بعد وفات پاگئے نیز جامعہ کے باورچی گل رحیم کے ماموں بھی گذشتہ ماہ سڑک کے حادثہ میں وفات پاگئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

اللہ تعالیٰ جملہ مرحومین کی مغفرت فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل نصیب ہو۔جامعہ مدنیہ جدید اور خانقاہِ حامدیہ میں جملہ مرحومین کے لیے اِیصالِ ثواب کرایا گیا۔اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔آمین۔

دینی مسائل

﴿ طلاق دینے کا بیان ﴾

مسئلہ : طلاق دینے کا اِختیار صرف مرد کو ہے۔ جب مرد نے طلاق دے دی تو پڑ گئی۔ عورت کا اِس میں کچھ بس نہیں چاہے منظور کرے چاہے منظور نہ کرے ہر طرح طلاق ہو گئی اور عورت اپنے مرد کو طلاق نہیں دے سکتی۔

مسئلہ : مرد کو فقط صرف تین طلاق دینے کا اِختیار ہے اِس سے زیادہ کا اِختیار نہیں اگر چار پانچ طلاقیں دے دیں تب بھی تین ہی طلاقیں ہوئیں۔

مسئلہ : جب مرد نے زبان سے کہہ دیا کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور اِتنے زور سے کہا کہ خود اِن الفاظ کو سن لیا بس اِتنا کہتے ہی طلاق پڑ گئی چاہے کسی کے سامنے کہے چاہے تنہائی میں اور چاہے بیوی سنے یا نہ سنے اور چاہے عورت کے ماہواری کے دن ہوں یا حمل کے ہی دِن ہوں ہر حال میں طلاق پڑ گئی۔

مسئلہ : کسی نے ایک طلاق دی تو جب تک عورت عدّت میں رہے تب تک دُوسری اور تیسری طلاق دینے کا اِختیار بنتا ہے، اگر دے گا تو پڑ جائے گی۔

مسئلہ : کسی نے طلاق دے کر اِس کے ساتھ ہی اِنشاء اللہ بھی کہہ دیا تو طلاق نہیں پڑی۔ اِسی طرح اگر یوں کہا اگر خدا چاہے تو تجھ کو طلاق، اِس سے بھی کسی قسم کی طلاق نہیں پڑتی۔ البتہ اگر طلاق دے کر ذرا ٹھہر گیا پھر اِنشاء اللہ کہا تو طلاق پڑ گئی۔

مسئلہ : شوہر نے مثلاً کہا ایک طلاق دی یا میری طرف سے ایک طلاق تو اگرچہ اِس میں طلاق کی صریح اِضافت اور نسبت بیوی کی طرف نہیں ہے یعنی بیوی کا نام لے کر نہیں کہا کہ اُس کو طلاق دی تب بھی اگر خطاب بیوی سے تھا یا اُس کی طرف اِشارہ تھا جو زوجہ کی طرف اِضافت کے قرائن ہیں تو یہ اِضافت معنویہ کافی ہے صریح اِضافت ضروری نہیں اور طلاق واقع ہو جائے گی لیکن اگر زوجہ کے مراد ہونے پر قرائن نہ ہوں اور شوہر بھی زوجہ کے مراد ہونے کا اِنکار کرتا ہو تو طلاق واقع نہ ہوگی۔

مسئلہ : گونگا اگر لکھنا نہ جانتا ہو اور ایسا اِشارہ کرے جس سے صاف طور پر طلاق ہی سمجھی جائے

اُس سے طلاق پڑ جاتی ہے۔

مسئلہ : کوئی شخص یوں کہے اِس شہر کی یا اِس بستی کی تمام عورتوں کو طلاق اور اُس کی بیوی بھی اُس میں ہو تو اُس پر طلاق واقع نہیں ہوگی لیکن اگر شوہر نے بیوی کو کہا کہ تیری قوم یا تیرے خاندان کو طلاق تو چونکہ وہ عورت اُس خاندان اور قوم میں داخل ہے اِس لیے اُس عورت پر طلاق پڑ جائے گی۔ اِسی طرح اگر یوں کہا محلّہ کی عورتوں کو یا اِس گھر کی عورتوں کو یا اِس کمرے کی عورتوں کو طلاق اور بیوی اُن میں شامل ہو تو طلاق ہو جائے گی۔

مسئلہ : فی الواقع طلاق نہ دی ہو لیکن لوگوں کے سامنے جھوٹ موٹ اقرار کر لیا کہ میں نے طلاق دی ہے تو اِس سے عدالت کے نزدیک طلاق واقع ہوگی اور عورت کو علم ہو تو وہ بھی اِس کو طلاق شمار کرے گی اِلّا یہ کہ شوہر نے اِس بات پر گواہ بنا لیے ہوں کہ وہ طلاق کا جھوٹا اقرار کرے گا۔

مسئلہ : ایک شخص نے دباؤ اور جبر کی وجہ سے گزشتہ زمانہ میں طلاق دینے کا جھوٹا اقرار کیا کہ اُس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تھی تو اِس سے طلاق واقع نہ ہوگی۔

مسئلہ : طلاق کی نیت سے اگر بیوی کو تین ڈھیلے دیے یا لکڑی سے تین خط کھینچ دیے لیکن زبان سے طلاق کا صریح یا کنایہ لفظ نہیں کہا تو اِس سے طلاق نہیں ہوتی۔

تنبیہ : بعض لوگ لاعلمی سے یہ سمجھتے ہیں کہ حمل کے دوران یا گواہوں کے بغیر یا تحریری طلاق وصول نہ کرنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی، یہ خیال بالکل غلط ہے بلکہ طلاق جب دی جائے تو ہر حال میں واقع ہو جاتی ہے خواہ ماہواری کے ایّام میں دی ہو یا حمل کے دوران دی ہو اِسی طرح گواہ ہوں یا نہ ہوں اور بیوی نے سنا ہو یا نہ سنا ہو، شوہر تنہائی میں بھی طلاق دے دے تو واقع ہو جاتی ہے اسی طرح شوہر جب طلاق کی تحریر لکھ دے یا لکھوا لے تو فقط اسی سے طلاق واقع ہو جاتی ہے خواہ اِس کے بعد وہ عورت کو تحریر بھیجے یا نہ بھیجے اور بھیجے تو عورت وصول کرے یا نہ کرے۔

خانقاہِ حامدیہ اور رمضان المبارک

﴿ محمد عامر اَخلاق، متعلم جامعہ مدنیہ جدید ﴾

حسبِ معمول اَخیر عشرہ میں ہونے والے اعتکاف کا معمول اِس سال سے خانقاہِ حامدیہ رائیونڈ روڈ میں شروع کرا دیا گیا۔ ملک کے اطراف واَکناف سے آئے ہوئے سالکین مسجد حامد میں شیخ الحدیث حضرت مولانا سید محمود میاں صاحب کی معیت میں معتکف ہوئے اور سلوک واحسان، ریاضت ومجاہدہ میں مشغول ومصروف رہے۔ اللہ تعالیٰ اِس خیر کے سلسلے کو قبول فرما کر قیامت تک کے لیے صدقۂ جاریہ بنائے، آمین۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا سید محمود میاں صاحب کی جانب سے مسترشدین ومریدین کے لیے کچھ اعمال اجتماعیہ کی ہدایات تھیں اور کچھ حسبِ حال ہر ایک کے لیے اِنفرادی اَعمال کی ہدایات تھیں۔

ہر روز ظہر کی نماز کے بعد ختم خواجگان ہوتا، بعد اَزاں حضرت شیخ اور تمام مریدین ومقیمین شیخ المشائخ مُرشدنا وسیدنا مولانا سید حامد میاں صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز کے ملفوظاتِ عظیمہ اور مواعظ کریمہ کی کیسٹ سننے کے لیے ایک حلقہ میں بیٹھ جاتے، جب حضرت اقدسؒ اپنے ناصحانہ انداز میں آیاتِ قرآنیہ اور احادیث نبویہ کی تشریح بیان فرماتے تو ایسے محسوس ہوتا تھا کہ چشمۂ محبتِ الٰہیہ کی آبشاریں ہمارے ویران وخشک دلوں کی بنجر زمین کو سیراب کر رہی ہیں اور معصیت ونافرمانی کی ظلمت وتاریکی نورِ معرفت کے ہواؤں کے جھونکوں سے زائل ہو رہی ہے۔ حضرت اقدسؒ کے درسِ حدیث کی کیسٹ تقریبًا آدھ پون گھنٹہ سنی جاتی۔ اِس کے بعد شمائل ترمذی سے کچھ پڑھ کر سنایا جاتا اور پیش آمدہ احوال ومسائل حضرت شیخ سے دریافت کیے جاتے اور بیعت کے خواہشمند بیعت ہوتے۔ بعد اَزاں عصر تک سالکین اپنے اپنے انفرادی عمل میں مشغول رہتے۔

بعد نماز عصر جناب رسول اللہ ﷺ کی سیرت اور سنتوں کے متعلق ''نبوی لیل ونہار'' نامی رسالہ جس کو حضرت شیخ خود پڑھ کر ہمیں حضور ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری اور سنتِ نبوی کی پیروی کی اہمیت و ضرورت بیان فرماتے، یہ عمل بیس پچیس منٹ جاری رہتا۔ اس کے بعد حلقۂ ذکر ہوتا اور ہر سالک اپنے ہدایت کردہ ذکر میں افطار تک مشغول رہتا اور پھر حضرت شیخ کی معیت میں تمام مریدین روزہ افطار کرتے۔

جب عشاء کی نماز اور تراویح سے فارغ ہوجاتے تو حضرت شیخ کی صحبت میں سارے مریدین و متعلقین حضرات ایک حلقہ میں جمع ہوجاتے، اس حلقہ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب قدس سرہ

کی تالیف فرمودہ ''تاریخ مشائخ چشت'' پڑھ کر سنائی جاتی ۔ آخری دن شیخ المشائخ حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحب قدس سرہ العزیز کے ذکرِ خیر کے بعد یہ سلسلہ ختم ہو جاتا۔ اور حضرت شیخ تاریخ مشائخ چشت اپنے مریدین سے پڑھواتے اور کہیں کہیں تشریح اور وضاحت بھی فرماتے اور باقی حضرات ہمہ تن گوش ہو کر سنتے۔ تاریخِ مشائخ چشت کے پڑھنے سے ہم سالکین کو تصوف کی اہمیت اور ضرورت کا علم ہوا اور یہ جذبہ پیدا ہوا کہ طالبِ صادق بننا ضروری ہے جس طرح ہمارے مشائخ چشت اور دیگر تمام سلفِ صالحین کا طریقہ رہا ہے کہ اُن حضرات نے دُنیا سے بے رغبتی اور عاجزی وانکساری، اطاعت وفرمانبرداری، تقویٰ و طہارت کی جو مثالیں قائم کی ہیں اُن کو ہم نمونہ بنائیں۔

اللہ تعالیٰ اِن سلاسل طیبہ کو اقوامِ عالم میں تا قیامت جاری وساری فرمائے اور ہمیں اِن مشائخ کے فیوض وبرکات سے استفادہ کی توفیق عطاء فرمائے، آمین۔ ✿ ✿ ✿

بقیہ : حضرت فاطمہؓ کے مناقب

جہیز کتنا مختصر تھا اِس کی تفصیل ہم لکھ چکے ہیں۔ نہ آنحضرت ﷺ نے کسی سے قرض اُدھار کر کے جہیز تیار کیا نہ اِس کی فہرست لوگوں کو دکھائی نہ جہیز کی چیزوں کی تشہیر کی گئی۔ ہم کو اِس کی پیروی لازم ہے۔ اگر بیٹی کو کچھ دیں تو گنجائش سے زیادہ کی فکر میں نہ پڑیں اور ضرورت کی چیزیں دیں اور دِکھاوا کر کے نہ دیں کیونکہ یہ اپنی اَولاد کے ساتھ احسان ہے دُوسروں کو دِکھلا کر دینا فہرست دِکھانا سراسر خلافِ شرع اور خلافِ عقل ہے۔

پھر آنحضرت ﷺ نے داماد اور بیٹی پر کام کی تقسیم کر دی۔ ابوداؤد شریف میں ہے کہ سردارِ دوجہاں ﷺ کی صاحبزادی چکی خود پیستی تھیں اور ہانڈی خود پکاتی تھیں اور جھاڑو خود دیتی تھیں۔ آج کل کی عورتیں اِس کو عیب سمجھتی ہیں بھلا جنت کی عورتوں کی سردار سے بڑھ کر کون عزت والی ہو سکتی ہے؟

آج کل کے مسلمان کہلانے والے منگنی سے لے کر شادی تک اور پھر اِس کے بچوں کے پیدا ہونے اور ختنہ اور عقیقہ تک فضول رسمیں کرتے ہیں جس میں سے بہت سی شرکیہ رسمیں ہیں اور کافروں سے لی ہیں اور بہت سی رسمیں سودی روپیہ لے کر انجام دیتے ہیں اور اِن رسموں کو کرنے میں نمازیں تک برباد کرتے ہیں اور بے شمار بڑے بڑے گناہوں میں ملوث ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے پیغمبر ﷺ کی پیروی کی توفیق بخشیں، آمین۔ (جاری ہے)

جامعہ مدنیہ جدید و مسجد حامدؒ

کی تعمیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیجیے

بانئ جامعہ حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحب رحمہ اللہ نے جامعہ مدنیہ کی وسیع پیمانے پر ترقی کے لیے محمد آباد موضع پاجیاں (رائیونڈ روڈ لاہور نزد چوک تبلیغی جلسہ گاہ) پر برلبِ سڑک جامعہ اور خانقاہ کے لیے تقریباً چوبیس ایکڑ رقبہ ۱۹۸۱ء میں خرید کیا تھا۔ جہاں الحمدللہ تعلیم اور تعمیر دونوں کام بڑے پیمانہ پر جاری ہیں۔ جامعہ اور مسجد کی تکمیل محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور اُس کی طرف سے توفیق عطاء کیے گئے اہلِ خیر حضرات کی دُعاؤں اور تعاون سے ہوگی۔ اِس مبارک کام میں آپ خود بھی خرچ کیجیے اور اپنے عزیز و اقارب کو بھی ترغیب دیجیے۔ ایک اندازے کے مطابق مسجد میں ایک نمازی کی جگہ پر دس ہزار روپے لاگت آئے گی، حسبِ استطاعت زیادہ سے زیادہ نمازیوں کی جگہ بنوا کر صدقۂ جاریہ کا سامان فرمائیں۔

منجانب

سیّد محمود میاں مہتمم جامعہ مدنیہ جدید و اَراکین اور خدام خانقاہ حامدیہ

خطوط، عطیات اور چیک بھیجنے کے پتے

1۔ سیّد محمود میاں ''جامعہ مدنیہ جدید'' محمد آباد 19 کلومیٹر رائیونڈ روڈ لاہور

فون نمبر : 5330310 - 42 - 92+ - 5330311 - 42 - 92+

2۔ سیّد محمود میاں ''بیت الحمد'' نزد جامعہ مدنیہ کریم پارک راوی روڈ لاہور

فون نمبر : 7726702 - 42 - 92+ - 7703662 - 42 - 92+

موبائل نمبر 4249301 - 333 - 92+ V فون نمبر : 6152120 - 42 - 92+

جامعہ مدنیہ جدید کا اکاؤنٹ نمبر 0-7915 مسلم کمرشل بینک کریم پارک برانچ (0954) لاہور (آن لائن)

مسجد حامد کا اکاؤنٹ نمبر 1-1046 مسلم کمرشل بینک کریم پارک برانچ (0954) لاہور (آن لائن)